آن ندوہ کز فیوض تو مہدِ کمال بود	ہر خام را ستیزہ گہِ آزمون شد است
وآن شبلی کہ ہمت تو دادہ اش وجود	یکسر خراب و خستہ و خوار و زبون شد است
باغے کز آبیاریٔ تو خرمی گرفت	تاراجِ فتنہ سازیِ چرخ حرون شد است
جامے کہ پر ز بادۂ نابش گذاشتی	چون کاسۂ سپہر دگرواژگون شد است
دار المصنفین کہ بہشتِ فیوض تست	می سود سر بچرخ مگر بے ستون شد است
بدخواہِ دین کہ چید اساسِ حصار کذب	باز از گلولہ باری کلکت مصون شد است
تو چون کلیم طور نشین وصال دوم	از سادگی فریفتۂ ہر فسون شد است

برخیز و باز لطف بہ اہلِ نیاز کن

بر ما درِ خزینۂ تحقیق باز کن

شبلی منزل

از قاضی محمد عبد الرحمن حیرت

آج آفاق مین مشہور ہے شبلی منزل	علم کے نور سے معمور ہے شبلی منزل
گوشہ گوشہ مین ہی اس جائے مقدس کی ہجوم	اسلئے قبلۂ جمہور ہے شبلی منزل
سیکڑون کوس سے آتے ہین زیارت کیلئے	سامنے شوق کے کیا دور ہے شبلی منزل
جلوۂ طور کے مشتاق کہان جاتے ہین	آئین یان شمع سرِ طور ہے شبلی منزل
کیسے کیسے ہین یہان جمع سلیمانِ زمن	رشک کاشانۂ فغفور ہے شبلی منزل
اکطرف دیکھو تو ہی دار مصنف قائم	آجکل علم کا گنجور ہے شبلی منزل
ایک سو سیرتِ نبوی کا جداہی دفتر	تابشِ نور سے پرنور ہے شبلی منزل
منزلِ شبلی سے ہوتا ہی معارف شائع	اسلئے اور بھی مشہور ہے شبلی منزل

مجلد اول	ماہ صفر ۱۳۳۵ھ مطابق دسمبر ۱۹۱۶ء	عدد ششم

فہرس مضامین

معارف کا یہ چھٹا نمبر ناظرین کے سامنے ہے، اس بنا پر جن حضرات نے صرف ۶ مہینے کی خریداری منظور فرمائی تھی، اگر اب انکو خریداری منظور نہ ہو تو اطلاع دین، ورنہ آیندہ نمبر انکی خدمت مین ویلو جائیگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

شاہراہِ عمل مین دار المصنفین کا ایک اور قدم

دائرۃ المعارف اُردو

یعنی

اُردو کی انسائیکلوپیڈیا

ہندوستان کی ترقی کا شور و غل اُسوقت تک صدائے بے اثر ہے، جب تک اس مین کوئی جامعیت پیدا نہین، ہندوستان مختلف نسلون، مختلف مذہبون، مختلف زبانون کا مسکن ہی، ان مختلف النسل مختلف المذاہب مختلف اللسان افراد کو جماعت، اور مختلف جماعتون کو ایک قوم بنانا صرف اسی طریقہ سے ممکن ہی کہ ان مین اتحاد نسلی، یا اتحاد مذہبی، یا اتحاد لسانی پیدا کیا جائے۔ ہندوستان کی مختلف نسلی جنسیتون کو ایک کرنے کا خیال ایک بے سود اور ناقابل عمل تخیل ہی، تمام ہندوستان کو صرف ایک مذہب کا پیرو بنا دینا گو عقلاً ممکن ہی، اور دائرہ عمل کے اندر داخل ہی، لیکن مشکلات بیرونی کی بنا پر ایک وسیع مدت تک تقریباً محال ہے، تمام ہندوستان کو اگر ہم ایک متحد قوم بنانا چاہتے ہین تو صرف زبان ہی کا اشتراک ایک ایسی چیز ہے، جو ان اختلافات کو مٹا کر تمام ہندوستانیون کو ایک مشترک و متحد ہندوستانی قوم بنا سکتی ہے۔

اب سوال یہ ہی کہ اس تعمیم واشتراک کی ہندوستان کی سینکڑون زبانون مین سے کسکو صلاحیت حاصل ہی، اور اس صلاحیت واستحقاق کے معیار کے اصول کیا ہین،

(۱) فطرۃً اس مین تعمیم اور تمام ملک مین چھا جانیکی صلاحیت موجود ہو،

(۲) کسی صوبہ کی مختص زبان نہ ہو بلکہ عموماً وہ ملک کے ہر گوشہ اور ہر حصہ مین بولی اور سمجھی جاتی ہو۔

(۳) علوم وفنون کے لحاظ سے ذی ثروت ہو اور ہر قسم کے خیالات عالیہ کا اُس مین ایک حد تک ذخیرہ موجود ہو۔

دو اول الذکر حیثیتون سے اردو زبان کے ترجیحی تفوق کے پہلو کو کوئی دبا نہین سکتا، اُردو سے زیادہ ہندوستان کی کسی اور زبان مین ایک عمومی اور ملکی زبان بننے کی قابلیت نہین، ملک کی دیگر زبانین صرف بھاشا اور سنسکرت کی پیداوار ہین، لیکن اُردو نہ صرف ہندوستان کی تمام زبانون کا مجموعہ ہے، بلکہ غیر ملکی الفاظ کا بھی اُس مین اشتراک اور شمول ہے، اس بنا پر ہندوستان کی مختلف الاجزا قومیت کے لئے اُردو سے زیادہ اس قومیت کی ترجمان بننے کی کسی اور مین صلاحیت نہین ہوسکتی، بنگالی زبان، ہندوستان کے تمام دیگر صوبون کے ہندو مسلمان اور عام باشندگان ملک کے لئے بالکل بیگانہ ہے، یہی حال مرہٹی اور گجراتی کا ہے کہ اپنے مخصوص صوبون کے حدود سے جب اُنکا قدم باہر نکلیگا تو ہمیشہ اُنکا خیر مقدم بلا تفریق مذہب وقومیت یکسان طور پر تمام باشندگانِ ملک کی طرف سے مسافرانہ اور بیگانانہ ہوگا، برخلاف اُردو زبان کے کہ ملک کی آبادی کا پانچوان اسلامی حصہ ہر صوبہ اور ہر گوشہ مین اُسکو بطور مادری زبان کے بولتا اور سمجھتا ہی، ملک کی دوسری کثیر التعداد قوم یعنی ہندو بھائی ملک کے بڑے بڑے صوبون مین مثلاً پنجاب، دہلی، صوبہائے متحدہ، بہار اور ریاستہائے اسلامی مین مادری زبان کی طرح اُسکو بولتے ہین، بنگال، مدراس، بمبئی، ممالک متوسط، ریاستہائے راجپوتانہ وکشمیر وبڑودہ مین اسکو وہ نہایت آسانی سے سمجھتے ہین، اور ضرورت کے وقت اسی مین اظہارِ مطلب کرتے ہین۔

وجوہ بالا کی بنا پر اُردو زبان کو اب بھی ملک کی عمومی زبان ہونے کا دعوی ہے، اور اس دعوی کی تردید عملاً ناممکن ہے، اور ہندوستان کی مختلف قومون کا اختلاط اور اشتراک معاملات جس حد تک ترقی کرتا جائیگا، اُردو زبان کی ہمہ گیری اور عالمگیری بھی اُسی حد تک وسیع ہوتی جائیگی، اگر ہندوستان سے انگریزی زبان چھین لی جائے اور یہ فرض کرلیا جائے کہ ملک کے تمام صوبون اور گوشون سے نائبانِ ملک اور نمایندگانِ اقوام کی ایک عظیم الشان مجلسِ شوریٰ قائم ہے، ہمارا قومی اسپیکر اب ہمارے متحدہ پلیٹ فارم پر آتا ہے، سوال یہ ہی کہ وہ ہمکو کس زبان مین مخاطب کریگا، وہ جوش اور جذبات سے لبریز ہے، لیکن کیا پنجابی زبان اُسکے خیالات کی ترجمانی کریگی، کیا بنگالی اور مرہٹی زبان اِن مختلف اللسان مجمع کی گرہ کشائی کرسکیگی؟ وہ یقیناً صرف اُردو ہی زبان ہوگی جو اس عظیم الشان قومی مجمعِ شوریٰ مین مبادلۂ خیالات کا ذریعہ بن سکیگی۔

اب ایک چیز رہ گئی یعنی یہ کہ ہماری آیندہ مشترک اور عمومی بننے والی زبان علوم وفنون کے لحاظ سے دوسری تمام زبانون سے زیادہ دولتمند اور ذی ثروت ہو، اور ہر قسم کے بلند اور عالی خیالات کی ادا و تعبیر کا اُسمین سامان ہو، موجودہ حالت مین اردو زبان، بنگالی ومرہٹی وغیرہ ملک کی دوسری زبانون سے علانیہ اس معرکہ مین بازی نہین لیجا سکتی، اِسلئے ہم کو اُردو زبان کی ملکی اور عمومی زبان تسلیم کرانیکے لئے اسکی بڑی ضرورت ہی کہ ہم علوم وفنون کا ایک بڑا ذخیرہ اپنی زبان مین فراہم کرلین، جو علمی، ادبی، قومی، تجارتی، سیاسی، تمدنی، اخلاقی، ہر قسم کے علوم وخیالات کی ادا و تعبیر کی کفالت کرسکے، ایسا مجموعہ جو ان گوناگون علوم وخیالات کا کفیل ہو، ایک اُردو کے **دائرۃ المعارف** (انسائیکلوپیڈیا) کے سوا کوئی اور شے نہین۔

لیکن یہ اسقدر عظیم الشان، اہم، اور مصارف طلب تجویز ہی کہ ہندو مسلمانون مین سے

کوئی قوم بھی اسکے لئے بآسانی آمادہ نہین ہوسکتی، اسکی تالیف وطبع واشاعت کی ضروریات کیلئے ایک شاہی خزانہ اور شاہنشاہانہ عزم اور حوصلہ مندیون کی ضرورت ہی، دنیا مین ہمیشہ اس قسم کے کام اور اسلام مین بھی اُمرا، اور سلاطین زمانہ کی زرپاشیون سے انجام پائے ہین، آج ہم مین گو بکرماجیت، سوائی سنگھ، مامون الرشید اور اکبر نہین، لیکن،

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید   دیگران نیز کنند آنچہ مسیحا می کرد

ہم مین بہت سے ایسے ارباب ہمم موجود ہین جو اپنی وسیع قومی حوصلہ مندیون، بے پایان علمی فیاضیون اور غیر محدود سیاسی انجام بینیون کے لحاظ سے ہمارے موجودہ دورِ تاریخ کے سب سے بڑے ہیرو ہین، ان مین کا ہر شخص جو صرف مسلمانون کے "جامعۂ اسلامیہ" کے لئے ایک لاکھ دیسکتا ہے وہ ہندو مسلمانون کے متحد "جامعہ لسانیہ" کے لئے کیا دس لاکھ نہین دیسکتا، ہمکو کامل اطمینان ہی کہ ہمارے قومی فیاضیون کا دست کرم اس تجویز کی اعانت سے کوتاہ نہین۔

دوسری شکل مؤلفین اور ارباب قلم کی ایک کثیر جماعت کے حصول کی ہے، لیکن سرمایہ کے امکان کے بعد ہم اس شکل کو زیادہ اہمیت نہین دیتے، ایک دو چیف ایڈیٹر بیشک نہایت لائق درکار ہین، لیکن الحمد اللہ کہ یہ دولت اس تجویز کو حاصل ہوچکی ہے، انکے علاوہ ۲۰ متوسط لیاقت کے مترجم اور انگریزی دان انشاپرداز ہمکو چاہئین، جنکے لئے گریجوایٹ ہونا ضروری نہین، صاحب لیاقت ہونا البتہ ضروری ہے، انگریزی کے ساتھ کسی قدر عربی کے واقف کارون کو ترجیح دیجائیگی، کام بجائے ماہوار تنخواہ کے صفحات کے معاوضہ پر ہوگا۔

کتابون کی غیر معمولی تعداد کی بھی ہمکو حاجت نہین، انگریزی مین انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، چیمبرس انسائیکلوپیڈیا، پاپولر انسائیکلوپیڈیا، امریکن انسائیکلوپیڈیا، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، عربی مین دائرۃ المعارف، فارسی مین کشاف، اصطلاحات الفنون جیسی جامع کتابین موجود ہین، اُردو کے

مشہور علمی رسائل مین اکثر مباحث پر نہایت قابلیت کے مضامین شائع ہوچکے ہین، اسکے علاوہ اور بہت سے ممکن الحصول مواد اور ماخذ اس تجویز کے پیش کنندون کے سامنے ہین تحقیق وکاوش نہایت احتیاط کے ساتھ عمل مین آئیگی، اور انشاء اللہ چیف اڈیٹرون کی قابلیت اور انکا ذوقِ تحقیق اسکے پایۂ اعتبار و استناد سے گرنے نہ دیگا،

تالیف وترجمہ کی درخواست بھیجنے والون کے لئے حسب ذیل امور تحریر ہین،

(۱) مولف ومترجم کے لئے مذہب وملت کی تخصیص نہین،

(۲) انگریزی لیاقت مسلّم ہو، اُردو کا انشاپرداز ہو، فارسی بقدر ضرورت جانتا ہو، کوئی صاحب ان زبانون کے ساتھ عربی بھی جانتے ہون یا علوم وفنون جدیدہ کی کسی شاخ سے واقفیت ہو تو اُنکو ترجیح دیجائیگی۔

(۳) ترجمہ کا نمونہ بھیجنا چاہیئے۔

(۴) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے صفحہ کو پیش نظر رکھکر اطلاع دینی چاہئے کہ فی صفحہ وہ کیا زرِ معاوضہ قبول فرمائینگے۔

مقالات

دار المصنفین اور ایک عظیم الشان اسلامی خدمت

یعنی

سیر الصحابہ کی تدوین و تالیف

انسان کے فرائض و اعمال مین سب سے مقدم فرض، اور سب سے اہم خدمت یہ ہی کہ دنیا کے خلاق کی اصلاح اور نفوس انسانی کی تہذیب و تکمیل کیجائے، علوم و فنون، تہذیب و تمدن، صنعت و حرفت غرض وہ تمام فضائل جو ہمیشہ دنیا کا سرمایۂ ناز رہے ہین، آسمان کی ہزارون گردشون، اور زمانہ کے ہزارون انقلابات کے بعد عالم وجود مین آئے، لیکن تہذیب نفوسِ انسانی کا فرض اسقدر ضروری تھا کہ دنیا کا پہلا انسان (آدم) دنیا مین آیا تو اُسکی ذمہ داریون سے گرانبار ہوکر آیا، دنیا پر ایک طویل زمانہ گذر چکا ہی جس مین حکماء، علماء، شعراء، فلاسفر، اور مقنن وغیرہ موجود نہ تھے، لیکن تاریخ کا کوئی دور مصلحینِ اخلاق یعنی انبیائے کرام کے وجود سے خالی نہین نظر آتا، اس مقدس سلسلے مین اگرچہ بڑے بڑے اُولوالعزم پیغمبر گذرے، لیکن ان سب کے فضائل و مناقب کا مجموعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تھی، جہان پہونچکر یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے منقطع ہوگیا کہ کمال کے بعد ترقی کا کوئی دوسرا درجہ نہین،

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا،

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس برگزیدۂ خلائق، اور عصارۂ انبیاء یعنی سرورِ کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدس فرض کو کس سرگرمی، کس مستعدی، اور کس جامعیت کے ساتھ

ادا کیا؟ اور آپنے نفوس بشریہ کو تہذیب و اخلاق کے کس ذروۂ کمال تک پہونچا یا؟ تو جہانتک اس سوال کا تعلق تاریخ و سیر سے ہے، اسکا جواب سیرۂ نبوی کی زبان دیگی، لیکن عملی حیثیت سے اسکے جواب مین ہمکو ان نمونون کا دکھانا ضروری ہوگا، جو آپ کے اخلاق و محاسن کے مظہر اتم، آپکی تعلیم و تربیت کی روشن مثال، آپکی ہدایت و ارشاد کے مخاطب اول، اور سب سے بڑھکر یہ کہ آپکی فیض صحبت سے بہرہ یاب تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، اور اُسکی ابتدار و انتہا دنیا کے حیرت انگیز واقعات کی ایک عجیب و غریب مثال ہے، اول اول جب دنیا کے اس سب سے بڑے انسان نے دنیا کو عقائد و اعمال کے اصلاح کی دعوت دی تو ریگستانِ عرب کے ایک ذرہ نے بھی اسکا جواب نہ دیا لیکن صداقت کے اثر اور تربیت پذیری کے جوہر نے چند ہی دنون مین اُسکے آگے پیچھے، دائین بائین، غرض ہر طرف ان جان نثارون کی قطارین کھڑی کردین، جنکے وجود سے دعوتِ نوح، بعثت موسیٰ اور نبوت عیسیٰ کی تاریخ یکسر خالی ہے، ابتداءً ان لوگون کا نام انگلیون پر گنا جا سکتا تھا، ہجرت کے زمانہ تک ان مین معتدبہ اضافہ ہوا، اور غزوۂ بدر کی صف مین تین سو تیرہ سرفروش تیغ بکف نظر آئے، فتح مکہ مین یہ تعداد دس ہزار تک پہونچگئی، حجۃ الوداع مین تیرہ ہزار آدمی آپ کے جلو مین روانہ ہوئے، لیکن جب آپنے انتقال فرمایا تو یہ تعداد لاکھون سے متجاوز تھی۔

دریائے حق کے جزر و مد کا یہ کتنا عجیب و غریب منظر ہے، حضرت نوح علیہ السلام مدتون توحید کا غلغلہ بلند کرتے رہے لیکن اُنکے سائے کے سوا کسی نے اُنکا ساتھ نہ دیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انصار و اعوان کی جستجو مین دشت و بیابان کی خاک چھانی، لیکن چند حوارئین کے سوا کسی نے اُنکی حمایت نہ کی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو چھوڑا تو اس آفتاب عالمتاب کے نور سے ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ روشن تھا، لیکن دوسرے پیغمبرون پر آپ کو صرف یہی فضیلت حاصل

ہنین ہے کہ آپکے اصحاب کی تعداد تمام اولوالعزم پیغمبرون کے اصحاب سے زیادہ ہی، بلکہ آپکی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ آپ کے نورِ ہدایت نے جن ذرّون کو روشن کردیا تھا وہ اب تک اُسی آب و تاب کے ساتھ چمک رہے ہین، اور گم گشتگانِ راہ انھی ستارون کی روشنی مین (ان اصحابی کالنجوم) اپنی منزلِ مقصود کا پتہ لگا سکتے ہین، اگر ہم حضرت نوح علیہ السّلام کی امت کے حالات کا پتہ لگانا چاہین تو ناکامی کے سوا ہمکو کیا ملیگا؟ اگر ہم معتکفان وادیٔ تیہ کے اخلاق و عادات سے واقف ہونا چاہین، تو کیا ان چھ لاکھ انسانون مین ایک شخص کی تاریخی زندگی بھی ہمارے سامنے بے نقاب ہو کر آسکتی ہے؟ اگر ہم حواریئن عیسٰی کے سوانح تلاش کرنا چاہین تو کیا اُن چند نفوس کے سوا جنھون نے مرغ سحر کی آواز سے پہلے اُن کا ساتھ چھوڑ دیا، کسی اور کے کارنامۂ زندگی کو تاریخ نمایان طور پر پیش کرسکتی ہی؟ لیکن اصحاب محمدؐ کے ایک ایک خط و خال کو ہم تاریخ کے مرقع مین دیکھ سکتے ہین، انکے تمام مذہبی اور اخلاقی فضائل، مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، حسن معاشرت، حسن معاملت، طرز بود و باش، زہد، استغنا، توکل، قناعت، شجاعت، جانبازی، تدبیر و سیاست، عدل و انصاف غرض ایک ایک واقعہ کو تاریخ نے محفوظ رکھا ہی، اور ہم اس تاریخ کو مذہبی، علمی، سیاسی، اخلاقی، غرض ہر حیثیت سے دنیا کے سامنے فخر کے ساتھ پیش کرسکتے ہین،

علماے اسلام کو سیر الصحابہ کی تدوین و ترتیب کا خیال اس بنا پر پیدا ہوا کہ روایت مین سب سے پہلے صحابہ کرام ہی کا نام آتا ہی، یہی وجہ ہے کہ اول اول محدثین نے اسکی طرف توجہ کی، چنانچہ صحابہ کرام کے حالات مین سب سے پہلی کتاب امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ نے تصنیف کی جسکا نام اسماء الصحابہ تھا، اور جسکا اکثر حصہ علامہ ابو القاسم بغوی نے اپنی کتاب معجم الصحابہ مین نقل کیا ہے،[۱] اسکے بعد اس فن کو بہت زیادہ ترقی ہوئی، اور بکثرت علما، مثلاً ابوبکر بن ابو داؤد، عبدان، مطین، ابوعلی

[۱] مقدمہ اصابہ و کشف الظنون،

بن السکن، ابوحفص بن شاہین، ابومنصور باوردی، ابوحاتم بن حبان، طبرانی وغیرہ نے اس موضوع پر کتابین تصنیف کین، لیکن ان مین سب سے زیادہ ابوعبداللہ بن مندہ المتوفی ۳۹۵ھ، ابونعیم احمد بن عبداللہ اور قاضی عبدالبر کی کتابین مقبول ہوئین، اور انھی کو تمام متاخرین نے اپنی کتابون کا ماخذ قرار دیا۔

یہ کتابین اگرچہ قدماء کی کتابون سے زیادہ جامع تھین، تاہم ان مین بہت سے صحابہ کے حالات رہ گئے تھے، اسلئے بہت سے علما نے ان پر ذیل لکھے، چنانچہ ابوموسیٰ المدینی المتوفی ۵۸۱ھ نے عبداللہ بن مندہ کی کتاب پر، ابوبکر بن فتحون اور ابوعلی غسّانی نے قاضی عبدالبر کی تصنیف پر ذیل لکھا، اور ان مین بہت سے صحابہ کے حالات کا اضافہ کیا، لیکن آج یہ تمام کتابین ناپید ہین، صرف قاضی عبدالبرّ کی کتاب استیعاب دو جلدون مین موجود ہے، جس مین ۳۵۰۵ صحابہ کے حالات مذکور ہین، اور جو تمام قدماء کی کتابون کی جامع ہے، ابن فتحون نے اسپر جو ذیل لکھا تھا، اُسمین اسی قدر نامون کا اور اضافہ کیا تھا،[۱]

اسکے بعد علامہ ابن اثیر جزری المتوفی ۶۳۰ھ نے صحابہ کے حالات مین ایک نہایت مبسوط کتاب لکھی، جسکا نام اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ہے، اس کتاب مین سات ہزار پانچسو صحابہ کے حالات ہین، اور اسکا ماخذ ابن مندہ، قاضی عبدالبر اور ابونعیم کی کتابین ہین، ان کتابون مین جن صحابہ کے حالات مذکور تھے، علامۂ موصوف نے ان سب کو اپنی کتاب مین یکجا جمع کردیا، اور خود بھی ذیل ابوعلی غسّانی وغیرہ کی مدد سے بہت سے نامون کا اضافہ کیا، اسکے ساتھ اور بھی بہت سی کتابون سے مدد لی، اور ان کتابون مین جو غیر ضروری باتین تھین، اُن کو چھوڑ کر عام حالات، اور اخلاق و عادات کے متعلق بہت سے جدید معلومات بہم پہونچائے، لیکن باین ہمہ تنقیح و تہذیب، جامعیت و ترتیب اس کتاب مین بھی بہت سے لوگون کے ایسے نام آگئے تھے جو صحابی نہ تھے، اسلئے علامۂ ذہبی نے

[۱] مقدمہ اصابہ۔

تجرید الصحابہ کے نام سے ایک کتاب لکھی جس مین ان غلطیون کی اصلاح کی اور بہت سے صحابہ کے نامون کا اضافہ کیا، چنانچہ اس کتاب مین تقریباً آٹھ ہزار صحابہ کے حالات مذکور ہین،[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے بھی پانچ جلدون مین ایک نہایت مفصل کتاب لکھی جسکا نام اصابہ فی تمیز الصحابہ رکھا، اور اس مین اُن تمام صحابہ کے علاوہ جو استیعاب ذیل استیعاب اور اسد الغابہ مین مذکور ہین، اور بہت سے صحابہ کے حالات کا اضافہ کیا، حافظ جلال الدین سیوطی نے اُسکا ایک خلاصہ لکھا جسکا نام عین الاصابہ ہے،[2] لیکن باین ہمہ ضبط واستقصا یہ کل سرمایہ اُس دریا کا صرف ایک قطرہ ہی جو مدتون ریگستان عرب مین موجین مارتا رہا، علی بن ابوذرعہ کا قول ہی کہ جن لوگون نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا یا آپ سے سنا اُنکی تعداد لاکھون سے متجاوز تھی۔[3]

بہرحال صحابہ کے حالات مین جو کتابین ہمارے پاس موجود ہین، وہ صرف یہی استیعاب اُسد الغابہ، اصابہ، تجرید اسمار الصحابہ ہین لیکن انکے علاوہ اور بھی بہت سی کتابون سے صحابہ کے حالات معلوم ہوسکتے ہین، حافظ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ مین اُن تمام صحابہ کا ذکر کیا ہے جو مصر مین نازل ہوئے ہین، طبقات الحفاظ مین متعدد اکابر صحابہ کے حالات مذکور ہین، طبری مین بھی صحابہ کے حالات دیئے ہین، طبقات ابن سعد کی متعدد جلدین اگرچہ سیرت اور تابعین کے حالات مین ہین، لیکن اسکی متعدد جلدین صحابہ کے ساتھ مخصوص ہین اور نہایت تفصیلی حالات بہم پہونچائے ہین۔

لیکن ابتک بار بار رشک کے رگڑنے کی ضرورت باقی ہے، یہ سچ ہی کہ ان کتابون کے ذریعہ سے صحابہ کرام کے عام حالات زندگی معلوم ہوسکتے ہین، لیکن اس زمانہ کی سب سے بڑی

[1] مقدمہ تجرید اسمار الصحابہ، [2] کشف الظنون، [3] مقدمہ اصابہ

ضرورت یہ ہی کہ ان حالات کے علاوہ صحابہ کرام کی مقدس زندگی کو دنیا کے سامنے اسطرح پیش کیا جائے، جس سے لوگون مین شوق عمل پیدا ہو، اور ان نمونون کو پیش نظر رکھکر لوگ خود بخود اپنے عقائد واخلاق کی اصلاح کی طرف مائل ہون، یہی وجہ ہے کہ اس دور تجدید و اصلاح مین ہندوستان کے مجدد اعظم مولانا **شبلی** مرحوم کو جب مسلمانون کی ترقی واصلاح کا خیال پیدا ہوا تو انھون نے صرف اسی تریاق اکبر کو اس درد کا علاج قرار دیا جسکی بناپر صحابہ کرام نے ہر قسم کی مادی اور روحانی ترقیان کی تھین، اسی غرض سے مدت سے اُن کا یہ خیال تھا کہ صحابہ کرام کے فضائل ومناقب اس ترتیب وجامعیت کے ساتھ لکھے جائین کہ دنیا کے سامنے فن اخلاق کا بہترین علمی مجموعہ آجائے چنانچہ ایکبار مولانا **حبیب الرحمن** خان شروانی نے اس مقدس کام کے لئے آمادگی ظاہر کی تو دفعتہً یہ دبی ہوئی چنگاری بھڑک اُٹھی، اور اُن کو ایک خط مین لکھا،

> "واللہ میرے دل کی بات چھین لی، صحابہ کے حالات سے بڑھکر کوئی چیز ہمارے لئے نمونہ نہین بن سکتی، لیکن ہر پہلو کو لیجئے اور اُن پہلوؤن کو صاف دکھلایئے، جن سے آجکل کے مولوی قصداً چشم پوشی کرتے ہین، مفصلہ ذیل کتابین اسکے لئے ضروری ہین، استیعاب، قاضی عبدالبر، اُسد الغابہ، اصابہ، ابن کثیر شامی"[1]

سیرۃ نبوی کی تدوین وتالیف مین مصروف ہوئے تو یہ ضرورت اور بھی شدت کے ساتھ محسوس ہوئی، اور عملاً اس کام کی تکمیل کا خیال دل مین پیدا ہوا، چنانچہ مولوی **محمد امین** صاحب مہتمم تاریخ ریاست بھوپال کو ایک خط مین تحریر فرماتے ہین،

> "سیرت کی رقم بھی مستقل ہوجاتی تو بہت اچھا ہوتا اس مد کی تصنیف کا مستقل

[1] مکاتیب شبلی جلد ۱ صفحہ ۲۲۴،

سلسلہ قائم رہتا، کانون مین بھنک تو ڈالدیجئے، وسیع سلسلہ ہے مثلاً

سیر الصحابہ، سیرۃ ازواجِ پیغمبر علیہ السلام وغیرہ۔[1]

لیکن ابھی خود سیرۃ بھی مکمل نہونی پائی تھی کہ ع آن قدح بشکست و آن ساقی نماند۔ تاہم کاروان رفتہ کا نقش قدم ابتک باقی ہے۔ یعنی مولانائے مرحوم کی ذات بابرکات اگرچہ اب اس مادی دنیا مین موجود نہین ہی، تاہم اُنکے فرزندانِ روحانی باقی ہین، اور اُنکے غیر مختتم اعمال صالحہ کی تکمیل کے لئے اپنی ناچیز زندگی کو وقف کرچکے ہین، اسلئے اُنھون نے سیرۃ نبوی کی تکمیل کے ساتھ اب سیر الصحابہ کی تدوین وتالیف کا کام بھی شروع کردیا ہے اور الحمد للہ کہ توفیق ایزدی نے اُنکو اس ارادہ مین بہت کچھ کامیاب کردیا ہے، مولانا نے اس کتاب کا جو ذہنی خاکہ قائم کیا تھا، اُسی کے مطابق کتاب کی تدوین وتالیف کا سلسلہ جاری ہے، اور تین شخص اس مقدس کام مین شب و روز مصروف و سرگرم ہین، کتاب کی ترتیب وتقسیم حسب ذیل مجلدات مین کیگئی ہے،

(۱) ایک جلد مین مہاجرین کے حالات لکھے جارہے ہین جس مین عشرہ مبشرہ کے لئے ایک حصہ مخصوص کرلیا گیا ہے، اور بقیہ حصے عام مہاجرین کے حالات مین ہین، یہ جلد مولوی حاجی **معین الدین** صاحب ندوی مرتب کررہے ہین،

(۲) انصار کے حالات زندگی کے لئے ایک جلد مخصوص کرلیگئی ہے، اور اسکو مولوی **سعید انصاری** لکھ رہے ہین، اسی جلد مین حلفائے انصار کے تذکرے بھی ہونگے،

(۳) صحابیات کے حالات ایک مستقل جلد مین لکھے جائینگے جس مین مہاجرات اور انصاریات دونون کے حالات ہونگے،

(۴) سادہ حالات زندگی کے علاوہ ایک جلد مین صرف صحابہ کرام کے عقائد، عبادات، معاملات،

[1] مکاتیب شبلی جلد ۱ صفحہ ۲۶۸

طرز بود و باش، حسن معاشرت، محاسن اخلاق، تدبیر و سیاست اور کارنامہائے زندگی وغیرہ کی تفصیل ہے، اور اس حصہ کو ہمارے فاضل دوست مولانا **عبد السلام** صاحب ندوی مرتب فرمارہے ہین،

انبیاء، صوفیہ، اور پیشوایان مذہب کے متعلق جو مبالغہ آمیز اور موضوع روائتین پیدا ہوجاتی ہین وہ قدرتی طور پر صحابہ کرام کے متعلق بھی پیدا ہوئین، اور اس شدت کے ساتھ اسلامی لٹریچر مین سرایت کرگئین کہ عام طور پر فضائل و مناقب کے لفظ سے اسی قسم کی روائتون کی طرف ذہن متبادر ہوتا ہے، لیکن اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہی کہ اس قسم کے تمام دور از کار واقعات کو نظر انداز کردیا گیا ہے، اور تمام واقعات اسماء الرجال اور تاریخ کی مستند کتابون سے بہم پہونچائے گئے ہین، اور جہان تک ممکن ہوسکا ہے، رجال اور تاریخ کی کتابون کے علاوہ صحاح ستہ بالخصوص صحیح بخاری و صحیح مسلم سے مدد لیگئی ہے،

کتاب کی مقبولیت وعدم مقبولیت کا تمام تر دار و مدار خدا کے فضل و کرم، قوم کے مذہبی احساس، اور ذوق صحیح پر ہے، لیکن کتاب کی ترتیب مین جو کد و کاوش کیگئی ہے، صحت کا جو التزام کیا گیا ہے، فضائل اخلاق کے جو عنوانات قائم کئے گئے ہین، صحابہ کرام کی زندگی کے ایک ایک خط و خال کو جس طرح نمایان کیا گیا ہی، اُسکے لحاظ سے یہ دعوی بیجا نہ ہوگا کہ اس موضوع پر ایسی جامع و مفصل کتاب آج تک اردو، فارسی کیا، عربی مین بھی نہین لکھی گئی، لیکن اس کتاب کی تدوین وتالیف کا یہ مقصد نہین ہے کہ قوم سے صرف حسن قبول کا تمغہ حاصل کیا جائے، بلکہ اصلی مقصد یہ ہے کہ خداوند تعالی اس کتاب کی برکت سے قوم مین وہی اخلاقی، مذہبی اور علمی رُوح پیدا کردے جو صحابہ کرام کے قالب مین موجود تھی، اس بنا پر اگر قوم نے اس حیثیت سے اس کتاب کا خیر مقدم کیا تو وہی ان ناچیز کوششون کا صلہ ہوگا، السعی منا والاتمام من اللہ

یورپ کا فلسفۂ اخلاق

از

مسٹر عبد الماجد بی۔ اے

حکماے یورپ نے فلسفۂ اخلاق پر جو وسیع و عظیم الشان لٹریچر فراہم کیا ہے، اُسمین مہمات مسائل صرف دو ہین،

(۱) **پہلا مسئلہ** - سب سے مقدم و اہم مسئلہ یہ ہے کہ اخلاق کا معیار کیا ہے؟ اسکے جواب مین اخلاقیئن کے مختلف گروہ سامنے آتے ہین،

(الف) ایک گروہ[1] یہ کہتا ہے کہ افعال کا حسن و قبح عقلی نہین، بلکہ اسکا دار و مدار محض قانون سلطنت پر ہے، بادشاہ وقت اس امر کا پورا مجاز ہے کہ جن افعال کو چاہے ممنوع قرار دیدے، اور جنھین چاہے جائز رکھے، پس اخلاق گویا دوسرا نام ہے قوانین ملکی کا - اس گروہ کا سردار انگریزی فلاسفر ہالبس (سنہ ۱۵۸۸ء سنہ ۱۶۷۹ء) ہوا ہے،

(ب) ایک دوسری جماعت[2] اس امر کی قائل ہے کہ افعال کے حسن و خوبی کا معیار ایک خاص طرح کی موزونیت یا مناسبت ہے جو عقل کو انکے مختلف حصّون کے درمیان معلوم ہوتی ہے، مثلاً کوئی وعدہ کرنا اور پھر اُسے ایفا کرنا، ان دونون افعال کے درمیان بداہتہً ایک طرح کی موزونیت یا مناسبت پائی جاتی ہے، اس جماعت کے مشاہیر ارکان کڈورتھ (سنہ ۱۶۱۷ء سنہ ۱۶۸۸ء) کلارک (سنہ ۱۶۷۵ء سنہ ۱۷۲۹ء) پرائس (سنہ ۱۷۲۳ء سنہ ۱۷۹۱ء) ہوئے ہین،

(ج) اسی سے ملتا جلتا جرمنی کے مشہور فلاسفر کینٹ (سنہ ۱۷۲۴ء تا سنہ ۱۸۰۴ء) کا یہ نظریہ ہے کہ صرف وہ افعال نیک و محمود ہین جو عملاً تمام دنیا مین عالمگیر ہو سکتے ہین، چوری، قتل، دروغگوئی، بدعہدی اس بنا پر معیوب ہین کہ یہ عالمگیر ہو ہی نہین سکتے - اور اگر انھین عالمگیر کر دیا ہے تو موجودہ نظام عالم کو یقیناً درہم برہم کرنا پڑیگا -

(د) سقراط کا مذہب یہ ہے کہ ہر نیک کرداری کا لازمی نتیجہ حصول مسرت ہے، اسلیئے جو لوگ بد اخلاقی مین

[1] مسلمانون مین اشاعرہ کا بھی یہی مذہب ہے، فرق صرف یہ ہے کہ وہ بانی مذہب کو یہ اختیار دیتا ہے، [2] معتزلہ کا یہی مذہب ہے،

مبتلا ہوتے ہین، انھین اسکا علم نہین ہوتا کہ انھین بجائے مسرت کے حزن و ملال حاصل ہوگا، اس لحاظ سے نیک کرداری کا معیار مقدار علم ٹھہرتی ہے، یعنی جسقدر کسی شخص کا علم ناقص یا کامل ہوگا، اُسی نسبت سے وہ بدکردار یا نیک کردار ہوگا -

(ہ) ارسطو کی تھیوری یہ ہے کہ نیکی کا اصل الاصول، افراط و تفریط سے بچ کر قواے نظری کا اعتدال کے ساتھ استعمال کرنا ہے، مثلاً اگر ہم اعتدال کے ساتھ روپیہ صرف کرتے ہین تو وہ سخاوت ہے اور اگر افراط یا تفریط سے کام لیتے ہین تو اسراف یا بخل کے مرتکب ہوتے ہین، جو دونون یکسان معیوب ہین -

(و) ایک فرنچ فلاسفر مینڈیول کی یہ راے ہے کہ اخلاق کی بنیاد تمامتر خودغرضی پر ہے، جب عقلاے وقت نے دیکھا کہ بعض افعال بالواسطہ خود اپنے فاعل کے لیے مضرت رسان ہوتے ہین، تو ان افعال سے محترز رہنے کے لئے انھون نے انھین بداخلاقیون کا لقب دیا، اور انکے مقابل افعال کو اعمال حسنہ قرار دیا - پس اخلاق کی بنیاد اس سے زاید کچھ نہین،

(ز) ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ خود انسانی فطرت مین ایک حاسۂ اخلاقی یا ضمیر موجود ہے جسکا کام یہ ہے کہ وہ فوراً افعال کی زشتی و خوبی کو بتلا دیتا ہے، اس فیصلہ مین عقل و استدلال کو دخل نہین ہوتا، اس نظریہ کے وکلاے خاص شیفٹسبری، ہچیسن و ہملٹن ہوئے ہین،

(ح) بعض حکما کا یہ مسلک ہے کہ افادہ یا سودمندی اصل معیار اخلاق ہے، جو افعال خود فاعل و نیز عام جماعت کے حق مین مفید و سودمند ہوتے ہین وہ اخلاقاً بھی محمود و مستحسن ہین، اور جن سے اسکے برعکس نتائج پیدا ہوتے ہین وہ قبیح و مذموم ہین - بنتھم، مل، اسپنسر، بین وغیرہ اس مسلک کے خاص پیشوا ہین،

(۲) **دوسرا مسئلہ** - دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ نفس بشری مین اخلاق حسنہ کی محرک کیا شے ہوتی ہے؟ اسکے جواب مین پھر اخلاقیئن مختلف مذاہب مین تقسیم ہو جاتے ہین،

(الف) ایک گروہ اس امر کا قائل ہے کہ ہر نیک کام کے کرتے وقت ہمین ہمیشہ کسی نفع یا انعام کی

توقع رہتی ہے، اور اگر اس صلہ کی کوئی مادی صورت نہین ہوتی تو کم از کم اسکی یہ صورت تو ضرور ہی ہوتی ہے کہ دوسرونکی نظر مین ہماری عزت و وقعت مین اضافہ ہوتا ہی، اور یہ توقع عزت و مقبولیت اعمال انسانی کیلئے سب سے قوی محرک ہے، یہ تھیوری بینڈلول کی ہے،

(ب) دوسرا فریق یہ کھتا ہے کہ ہم کسی شے کو تکلیف مین دیکھکر از خود متالم ہوتے ہین، اور اُسے تکلیف سے نجات دینا چاہتے ہین، اسکے یہ معنی ہین کہ دوسرون کی تکلیف کو رفع کرنا دراصل خود اپنے ہی ایک دکھ کو دور کرنا ہی یہ رائے ہابس کی ہے،

(ج) ایک اور جماعت کا یہ خیال ہی کہ جس طرح سبزہ و چمن کا دیکھنا ہمین طبعاً خوشگوار معلوم ہوتا ہے بالکل اسی طرح اعمال حسنہ مین لازماً یہ ایک خاصۃ موجود ہے کہ اُنکے انجام دینے سے ہمین ایک طرح کا حظ حاصل ہوتا ہے، اور اس مسرت مین کسی خارجی سبب کو دخل نہین ہوتا، یہ نظریہ بنتھم کا ہے،

(د) آخری مذہب یہ ہی کہ نیکی کی طرف میلان، اور برائی سے اجتناب کی خواہش اگرچہ فی نفسہ ہماری فطرت مین داخل نہین، لیکن اب توود کے اثر سے وہ گویا ہماری فطرت مین داخل ہوگئی ہے، مثلاً روپیہ فی نفسہ کوئی قابل محبت شے نہین ہو سکتا، بلکہ دراصل یہ صرف دوسری محبوب چیزون کو ہماری دسترس مین لانے کا آلہ ہے، لیکن اب توودات و ایتلاف افکار سے ہم خود روپیہ سے محبت کرنے لگے ہین، بس بالکل یہی حال اعمال حسنہ کا ہے، ابتداءً جو شے انکی محرک تھی وہ صرف اُن نفع بخش نتائج کی توقع تھی جو اُنسے ہمین حاصل ہوتے تھے، لیکن اب ہزار ہا نسلون کے تجربہ کے بعد رفتہ رفتہ خود نیکی کی محبت ہمارے خمیر مین داخل ہوگئی ہے، اس مذہب کے اکابر ارکان جمیس مل و میکنٹاش ہوئے ہین۔

معیار و محرک کے یہ دو مسائل سارے فلسفۂ اخلاق کی رُوح ہین، اسکے سوا جو کچھ ہے انہین کی تفصیل و تفسیر ہی، یہ دکھا سکنے کے بعد اب ہم ابتدا سے فلسفۂ اخلاق کی تاریخ بیان کرینگے۔

فن مطالعہ

(۲)

تحریر: صاحبزادہ ظفر حسن خان ہیڈ ماسٹر اسلامیہ اسکول امروہہ

ویٹس کے بعد شوپن ہانر[1] کے خیالات قابل الذکر ہین،

وہ کھتا ہے کہ مصنف دو طرح کے ہوتے ہین، ایک تو وہ جنکی تصنیف کا مقصود بالذات نفس مضمون ہوتا ہے، دوسرے وہ جنکی غرض عبارت آرائی ہوتی ہے، پس جب دیکھو کہ مصنف کاغذ سیاہ کر رہا ہے، تو اُسکو ست پڑھو اسلئے کہ وقت ایک قیمتی چیز ہے،

ایک اور حیثیت سے مصنف کی تین قسمین کرتا ہے،

(۱) وہ جو بغیر غور و فکر کئے لکھتے ہین، اُنکی تصنیفات مصنفین ماسبق کی مصنفات سے تمامتر ماخوذ ہوتی ہین، دوسرون کے خیالات کو لوٹ پلٹ کے رکھدینا، اور اِدہر اُدہر سے جوڑ پیوند لگا کہ کتاب تیار کر دینا اُن کا وتیرہ ہوتا ہے،

(۲) وہ جو لکھتے وقت فکر کرتے ہین، اور یہ صرف اسلئے کہ اُن کا قلم آگے بڑھے۔

(۳) وہ جو قلم ہاتھ مین لینے سے قبل خوب غور و خوض کر لیتے ہین، اور قلم اسلئے اُٹھاتے ہین کہ اُن کے دماغ مین عالی و قابل بیان افکار مجتمع ہین،

صنف آخر الذکر کے مصنف نادرِ زمانہ ہین، ایسے لوگ نہایت قلیل التعداد ہین، جو کسی موضوع پر بجائے خود غور کرتے ہون، ورنہ اکثرون کو تو اس موضوع پر کتابونکی تلاش شروع ہوجاتی ہی یہی وجہ ہی کہ انکی تصنیفات ایجاد و اختراع سے خالی ہین، ان کے قلم اور جدت خیال کے درمیان

[1] آرتھر شوپن ہانر (۱۷۸۸ء–۱۸۶۰ء) جرمن فلسفی عصر جدید کا علمبردار "الیات" (Pessimism)

گویا ایک ناقابل عبور سمندر حائل ہے" قابل مطالعہ بس وہ ہے جو اپنی تصانیف کا مواد براہِ راست اپنے دماغ سے حاصل کرتا ہو نہ کہ کرم خوردہ مجلدات سے، اس بنا پر تالیفات حتی الامکان کم پڑھنا چاہئین اور بانیانِ فنون و محققینِ علوم کا مطالعہ جسقدر کیا جائے مفید ہے،

جب ہم کوئی کتاب پڑھتے ہین تو مصنف بجائے ہمارے غور و فکر کا کام انجام دیتا ہے، جو خیالات ہمارے ذہن مین آتے ہین وہ اُسکی افکار و خیالات کی گویا ایک آوازِ بازگشت ہین، غور و فکر کے بعد کتب بینی سے دماغ کو بڑا آرام ملتا ہے، لیکن بہت زیادہ پڑھنا مضر ہے، اِس سے ذہن کا لوچ جاتا رہتا ہے" دماغ ایک تختی ہے جسکے تلے اُوپر نقوش بنتے چلے جاتے ہین، جسقدر انسان کم پڑھیگا، اتنے ہی نقش کم بنینگے، اور اسی نسبت سے ذہن کو جودت و آزادی حاصل رہے گی،

مصنف کے خیالات پر اسقدر غور کرنا چاہئے کہ وہ ہمارے دماغ کے اجزا بنجائین، معلومات جو صفحۂ قرطاس پر نظر آتے ہین وہ کسی کے نقش پا ہین، جن سے راستہ کا پتہ چلتا ہے، لیکن گرد و پیش کے مناظر سے محفوظ رہنے کے لئے آنکھون کو استعمال کرنے کی ضرورت ہے،

صرف اچھی کتابین پڑھو، اور اُسکی تدبیر یہ ہے کہ بُری کتابین کبھی نہ پڑھو، اِسلئے کہ انسانی زندگی قلیل ہے، اور وقت اور قوت محدود ہ پر اچھی کتاب کو دوبار پڑھنا چاہئے۔

پڑھتے ہوئے تمام مضامین کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرنا ایسا ہی ہے، جیساکہ جملہ غذائین کو جو ابتک کھائی ہین، معدہ مین قائم رکھنے کی خواہش کرنا، غذا کا اصلی فائدہ ہضم و جزو بدن ہوکر قوائے جسمانیہ کو ترقی دینا ہے، اسی طرح کتاب کا اصلی فائدہ، سمجھ مین آکر جزو دماغ بننا اور قوائے ذہنیہ کو ترقی دینا ہے،

دنیا مین مختلف مذاق و مقاصد کے لوگ تو ہمیشہ کثرت کے ساتھ ہوتے رہے ہین لیکن ایسے ہمیشہ بہت کم ہوئے ہین، جنکی پہلی نظر ایک محورِ خیال، یا مرکزِ نظر یا نظام افکار ہو، عام متعلمین کسی

متنے کو گہری دلچسپی کے ساتھ مطالعہ نہین کرتے، ان کے خیالات کچھ عرصہ پریشان رہ کر فنا ہوجاتے ہین، چونکہ اُنکے ذہن کے اندر کوئی مرکز افکار ایسا نہین ہوتا جو دوسرے کے خیالات کو تسبیح کے دانون کی طرح ایک رشتہ مین منسلک کردے،

مورخ گبن[1] بھی بڑا پڑھنے والا تھا، سوانح عمری مین اپنے طریق مطالعہ کی نسبت جو اس نے لکھا ہے، اُس کا ترجمہ حرف بحرف یہ ہے،

"نئی کتاب کی فہرست ابواب و ترتیب مباحث پر ایک نظر ڈال کر، مین اُسکے مطالعہ کو اسوقت تک ملتوی رکھتا ہون جب تک کہ مین اپنی معلومات کا جائزہ خوب اچھی طرح نہ لے لون، جب تک کہ مین اپنی تنہا چہل قدیون مین خوب اچھی طرح سمجھ نہ لون کہ اس موضوع کے متعلق یا کسی باب کی نسبت میرے عقائد و خیالات کیا ہین، اُسکے بعد مین اس امر کا صحیح اندازہ کرنے کے قابل ہوجاتا ہون کہ مصنف نے میرے معلومات مین کسقدر اضافہ کیا، چنانچہ اگر بعض اوقات اتفاق رائے سے فی الجملہ تسکین ہوتی ہے، تو کبھی اختلاف رائے سے آمادۂ جنگ کردیتا ہے"

گبن کی بھی یہی نصیحت ہے کہ کتاب کو صرف ایک مرتبہ پڑھ کر بالائے طاق نہین رکھدینا چاہئے بلکہ بار بار پڑھنا چاہئے، اور ایک سادہ کتاب رکھنا چاہئے جسمین قابل یادداشت مقامات و مضامین، مناسب و مختصر عنوانات کی تحت مین لکھ رکھنا چاہئے، اس قسم کی کتاب کی نسبت لاک کا طرز عمل سنو،

"اگر مین اپنی معلومات عامہ کی کتاب مین کچھ لکھنا چاہتا ہون، تو مین اُسکے لئے ایک سرخی قائم کرکے اُسکے ذیل مین جو کچھ لکھنا چاہتا ہون، لکھدیتا ہون، ہر سرخی عبارت کا کوئی خاص لفظ ہونا چاہئے"

متاخرین مین سے بین[2] نے جس خوبی کے ساتھ "فن مطالعہ" پر بحث کی ہے، کسی نے نہین کی

[1] اڈورڈ گبن (۱۷۳۷ء - ۱۷۹۴ء) انگلستان کا مورخ، [2] الگزنڈر بین (۱۸۱۸ء - ۱۹۰۳ء) اسکاٹلینڈ کا فلسفی،

اگرچہ تاریخی حیثیت سے بین سے قبل متعدد اہل قلم اس موضوع کی طرف متوجہ ہوئے ہین، اور بین سے قبل اُن کا نام آنا چاہیے تہا، شلاً ڈاکٹر ٹاڈ، پروفیسر بلیکی وغیرہ، ٹاڈ نے مطالعہ کے عنوان سے اپنے "رسالہ طالبعلم" مین ایک تفصیلی باب لکھا ہے، لیکن اس کتاب کی نسبت بین کا یہ قول نقل کردینا کافی ہے،

"کچھ عرصہ ہوا کہ ایک امریکن مسمّٰی بہ ٹاڈ کی ایک کتاب ہمارے درمیان بہت مقبول تھی، لیکن ہر شخص اسکے ابواب پر ایک نظر ڈالنے کے بعد افسوس نہ کریگا کہ اب لوگون نے اسکو کیون فراموش کردیا۔"

اگرچہ ٹاڈ کے خیالات تفصیلاً لکھنے کے قابل نہین، لیکن چونکہ سلسلہ مین ٹاڈ کا نام آگیا ہی سلئے لئے ایک آدھ نصیحت اُسکی بھی سُن لو،

کہتا ہی کہ پنسل ہاتھ مین لیکر پڑھو، اور حاشیہ پر حسب ذیل نشان بنادیا کرو،

۱۱ - یہ نشان وہان بناؤ جہان اُن اُمور کا اجمال ہو، جنکی تفصیل آگے چلکر کیجائیگی -

۱٦، اس سے مراد یہ ہی کہ یہ خیال صحیح ہے، اور اسکے اندر بہت وسعت ہے،

۱۷، یہ خیال صحیح نہین، تجربہ کی شہادت اسکے خلاف ہے،

؟۱ مشکوک -

18 صحیح ہے، واقعات کا ذکر دعوے کو مضبوط کردیگا،

۱∞ غلط ہے، واقعات اِسکے خلاف ہین،

۱۴ غیر متعلق ہے، ترک اولیٰ تھا -

۱۵ تکرار بے سُود، مصنف چکر کہا رہا ہے،

#۱ ذکر بیجا -

۱۵ مذاق سلیم کے موافق،

۱۵ مذاق سلیم کے خلاف -

ڈبلو، ایچ، ڈی آدم نے "سلف کلچر" (خود تربیت) کے موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہی جسکا نام ہی "پلین لونگ اینڈ ہائی تھنکنگ" "حیات سادہ وخیال اعلیٰ" اس مین "کتب بینی" پر ایک باب ہی، جملہ مباحث نقل کرنا غیر ضروری ہے، البتہ وہ مقام جہان آدم نے ٹاڈ کے خیالات سے اعراض کیا ہے، قابل ذکر معلوم ہوتا ہے، ٹاڈ کے نشانات پر آدم کا اعتراض ہے کہ یہ حد سے زیادہ ہین، ان سے کم مین بخوبی کام چل سکتا ہی، لکھتا ہے،

نشانون کے بکھیڑے مین پڑکر طالب العلم مطالعہ کے اصلی فائدہ سے محروم ہوجاتا ہے، اسکو ہمہ وقت یہ فکر لگی رہتی ہے کہ اس مقام پر کونسا نشان لگاؤن، اور اس جگہ کونسا نشان بناؤن، ساری دماغی قوت جو مطالب سمجھنے مین صرف ہونا چاہیے تھی، نشانات ہی تجویز کرنے مین صرف ہوجاتی ہے، اسکی مثال بالکل ایسی ہی، جیسے کوئی احمق مسافر گرد وپیش کے مناظر فطرت سے حظ نظر اٹھانے کی بجائے سیل کے پتھرون کو شمار کرتا چلے، کہتا ہی "میرے خیال مین حسب ذیل نشان کافی ہین:

ا- عبارت یا خیالات کی حیثیت سے یہ مقام نہایت خوب ہے،

× . برعکس معنی پیدا ہین،

? . خیال مشکوک ہی، یا عبارت درست نہین،

٥ . واقعہ یا تشبیہ جدید نہین، بلکہ مستعار و مقتبس ہے،

یہ ایک جملہ معترضہ تھا، اب ہم بین کی طرف رجوع کرتے ہین، بین نے فن مطالعہ پر ایک نہایت مبسوط مضمون لکھا ہے، درصل یہ بین کی "سائنس آف ایجوکیشن" کا ایک باب ہی، جو مضمون کی حیثیت سے ایک مستقل شکل مین شائع ہوا، اور سچ یہ ہے کہ انصاف کا تقاضا بھی یہی تھا کہ فن مطالعہ کو فن تعلیم سے جدا جگہ دیجائے، فن تعلیم کے کسی رسالہ مین مطالعہ پر ضمنی وسرسری بحث کردینا

کمال بدمذاقی اور اس فن شریف پر ظلم صریح ہے، جسکو سمجھ مین نہین آتا کہ ماہرین فن تعلیم نے کیونکر روا رکھا، اہمیت کے لحاظ سے فن مطالعہ اگر فن تعلیم سے زیادہ نہین تو کسی طرح کم بھی نہین لیکن اس نکتہ کو بین کے سوا شاید کسی اور نے نہ سمجھا تھا، اسلئے کہ وہی پہلا شخص ہے جس نے اس فن کی عالمانہ و اصطلاحانہ پیرایہ مین تدوین کی، آداب بین کے مضمون کی سیر کرین، اس کے خیالات مختصر پیرایہ مین اہل نظر کی دلچسپی کے لئے ذیل مین نقل کئے جاتے ہین،

اس مضمون کے مہمات حسب ذیل ہین،

۱- انتخاب کُتب،

۲- طریق مطالعہ

۳- توجہ کی تقسیم،

۴- عام کتب بینی

۵- مطالعہ و مشاہدہ کا توازن،

۶- مطالعہ کے متعلقات، مکالمہ، مناظرہ، مضمون نگاری وغیرہ،

اس مین سے ہر نمبر پر ہم علحدہ بحث کرینگے،

(۱) **انتخاب کتب**، کسی فن کی تحصیل کے دو طریقے ہین،

(۱) اس فن پر متعدد مجلدات بلا کسی قسم کے امتیاز کے پڑھ لئے جائین،

(۲) پہلے ایک کتاب خوب غور سے پڑھو، اور اس مرکزی کتاب کے تمام مباحث خوب ذہن نشین کرلو، پھر دوسری تیسری چوتھی کتابین پڑھو، اور دیکھو کہ پہلی کتاب سے وہ کسقدر متفق المباحث ہین، اور کسقدر مختلف، اور تمہارے معلومات مین کیا اضافہ ہوا،

دنیا مین دونون طریقون کے عامل گذرے ہین، ملٹن کا دستور تھا کہ ہر فن پر

تابڑ توڑ درجنون کتابین پڑھ ڈالتا تھا، اور اپنے شاگردون کو بھی اسکی یہی نصیحت تھی کہ جہانتک پڑھا جائے پڑھو، مکالے تو کتاب کا کیڑا مشہور ہی ہے، لیکن اس بلا کا حافظہ والا ایسا عمل کرے تو مضائقہ نہین، جان اسٹوارٹ مل بھی بڑا پڑھنے والا تھا لیکن نیا علم شروع ہونے سے پہلے اس کا باپ بالعموم اسکو بہت کچھ زبانی سکھا پڑھا دیا کرتا تھا، اور یہ زبانی تعلیم جان اسٹوارٹ مل کے حق مین وہی فائدہ رکھتی تھی جو ابتدائی مرکزی کتاب، اور بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ مل کے ہاتھ اتفاق سے کوئی معرکۃ الآرا کتاب لگ گئی، اور اس نے اس فن کے عام مطالعہ سے قبل اسکو بالاستیعاب پڑھ ڈالا، چنانچہ کیمسٹری کی تحصیل کے وقت یہی ہوا کہ مل کے ہاتھ طامسن کی سسٹم آف کیمسٹری آگئی، اپنی سوانح عمری مین لکھتا ہے:

"قبل اسکے کہ مین نے کوئی لکچر سنا ہو یا ایکپریمنٹ دیکھا ہو، سالہا سال تک مین اپنے والد کے قدیمی دوست و ہم مکتب کی کتاب پڑھتا رہا"،

ملٹن، مکالے وغیرہ کے برخلاف، لاک، ہاب وغیرہ ہین کہ یہ ہر فن پر فقط خاص خاص مصنفین کو مطالعہ کرلینا کافی سمجھتے ہین،

اصل یہ ہی کہ کسی فن کے مطالعہ کا مفید و صحیح ترین طریقہ یہی ہی کہ کسی ایک کتاب کو مرکز بنالیا جائے، اور اسکے کماحقہ مطالعہ کرنے کے بعد جو کتاب پڑھی جائے، دیکھا جائے کہ مصنف ماسبق کے خیالات سے مصنف مابعد کے خیالات و افکار کہان تک مطابق اور کہان تک مخالف ہین، پہلی کتاب پڑھنے کے بعد، ہر دوسری کتاب پڑھ چکنے کے بعد اندازہ کرنا چاہئے کہ اسکے مطالعہ سے ہمارے ذخیرۂ معلومات مین کسقدر اضافہ ہوا، بے تمیزی کے ساتھ بہت سی کتابین پڑھ لینے سے بھی بلاشبہ معلومات کا بہت سا ذخیرہ اکٹھا ہو جاتا ہے، لیکن اس انبار مین وہ نظام و پختگی کہان؟ یہ چونے سرخی اور اینٹون کا ایک ڈھیر ہے، جبکہ وہ مصالحہ کی پختہ اینٹون سے

چُنی ہوئی دیوار،

(۲) **طریق مطالعہ**، ہین لکتا ہے کہ کسی کتاب کو کتب بینی کی معمولی رفتار کے ساتھ پڑھجانا کافی نہین، بلکہ ہر مفید واہم کتاب سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کے لئے اُسکو باقاعدہ مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے، مطالعہ کے متعدد ومختلف قواعد ہین، جن مین سے ہم ذیل مین صرف انکا ذکر کرتے ہین، جنکو بڑے بڑے عالمون نے اختیار کیا ہے،

(۱) ڈیماستھنیس کا طریقہ کتاب کو بار بار لکھنا،

(۲) کتاب کو حفظ کرلینا،

(۳) کتاب کی عبارت کا تلخیص کرنا،

(۴) لاک کا طریقہ،

(۱) کتاب کی عبارت حرف بہ حرف نقل کرنے سے کچھ زیادہ فائدہ نہین معلوم ہوتا، اسلئے کہ ساری توجہ الفاظ کی صورت وہیئت کی طرف رہتی ہے نہ کہ اُن کے معانی ومناہج کیطرف، کتابت کے وقت یہی خیال لگا رہتا ہے کہ کہین کوئی لفظ، کوئی حرف، کوئی شوشہ رہ نہ جائے دلیل کی صحت وعدم صحت کی طرف ذہن منتقل بھی نہین ہوتا، پس ممکن ہے کہ مطالب و مناہج کی طرف سے تغافل، پریس کے کاتب کی غفلت تک پہونچ جائے کہ اسکو کتابت محض کے سوا اور کسی امر سے سروکار نہین ہوتا، چنانچہ کون نہین جانتا کہ انکے قلم سے کیسے مہمل جملے نکل جاتے ہین؟ مورخ تھیوسڈائڈیز کو آٹھ مرتبہ نقل کرنا، ڈیماستھنیس ہی کا کام تھا، ہمکو تو یہ عمل "کوہ کندن وکاہ برآوردن" معلوم ہوتا ہے،

(۲) حفظ کرنے کی ابتدا بھی ڈیماستھنیس سے ہوئی، لیکن ہمارے خیال مین یہ طریقہ بھی ویسا ہی غیر مفید ہے جیسا کہ کتابت، کسی کتاب کے خاص خاص مقامات یا عمدہ عمدہ جملے

یا کسی نظم کے اچھے اچھے شعر یاد کرنے تک غنیمت ہے، لیکن ساری احیاء العلوم رٹ لینا، یا پورا دیوان حافظ حفظ کرلینا فعل عبث نہین تو اور کیا ہے، خوشنما جملون کے یاد کرنے سے خیالات کی صفائی وحسن تعبیر کے ساتھ بیان کرنے کا ملکہ پیدا ہوجاتا ہے، مرتب پیراگراف کو حفظ کرنے سے مباحث کو حسن ترتیب ومنطقی تسلسل کے ساتھ ادا کرنیکی قوت پیدا ہوجاتی ہے، لیکن باب کے باب اور کتاب کی کتاب طوطے کی طرح رٹ لینے سے کیا فائدہ؟

خلاصہ کرنا - مطالعہ کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جو پڑھو، اُس کا خلاصہ لکھو، ابتدا مین مشکلات پیش آئینگی، خلاصہ بھی خراب ہوگا، لیکن جہان دو تین کتابین اس طور پر نکل گئین پھر کچھ نہین -

خلاصہ کس طرح کرنا چاہئیے؟ کتاب کی فہرستِ مضامین خوب اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے بعد پہلا باب شروع کرو، اور اسکی تلخیص اسطرح کرو کہ ہر بحث، ہر مطلب، ہر دعوے کو مختصر وجامع عنوان کے تحت مین لکھو، اور مناسب وموزون امثال کے ساتھ انکی تشریح وتوضیح کرو، خلاصہ نہ تو کتاب کو حرف بہ حرف نقل کرنے کا نام ہے، اور نہ عبارت ہے اُس آزادانہ تحریف وتبدیلی سے جو مصنف کے زبان وخیالات مین کیجاسکتی ہے، بلکہ اسکے بین بین، اسلئے کہ اگر کتاب کو حرف بہ حرف نقل کیا تو پھر ایک جاہل کاتب واعلے دماغ متعلم مین کیا فرق رہا، اور اگر اسقدر آزادی سے کام لیا کہ سرے سے کتاب کی کایا پلٹ دی تو وہ خلاصہ کاہیکو ہوا، تمہاری خود ایک مستقل تصنیف ہوئی، مطالعہ کا مقصود ہر دو حالت مین فوت رہا، بحالت اول کتاب سے اسقدر حاصل کیا کہ کچھ حاصل نہ کیا، دوسری حالت مین اسقدر کم حاصل کیا کہ کچھ حاصل نہین کیا،

بعض نے خلاصہ کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی بتایا ہے کہ خاص خاص مباحث ونکات کے نیچے یا مقابل مین حاشیہ پر پنسل سے خط کھینچ دیا جائے، لیکن اس طریقہ پر صرف اُن کتابون کے

مطالعہ مین چل سکتے ہین، جنکے مباحث نہایت مرتب و منطقی شکل مین ہون،، اگر کتاب کے مسائل و مطالب متفرق پیراگرافون مین منتشر ہین تو خطوط سے کچھ فائدہ نہین، ایسے رسالون کا علاج یہ ہے کہ غور سے پڑھ کر علحدہ کاغذ پر خلاصہ لکھا جائے،

(۴) لاک کے خیالات اول مذکور ہو چکے، یہان انکا اعادہ غیر ضروری معلوم ہوتا ہے، سلسلہ کے لئے اسوقت ان پر دوبارہ نظر ڈال لینا مفید ہوگا،

(۳) **توجہ کی تقسیم**، کتنے مضامین کا مطالعہ ساتھ ساتھ کیا جا سکتا ہے؟ ایک مضمون کا مطالعہ کرنے کے بعد، دوسرا مضمون شروع کرنے سے قبل، کسقدر وقفہ ہونا چاہئے؟ کتنا وقت مطالعہ مین اور کتنا آموختہ پر غور کرنے مین صرف کرنا چاہئے؟

(۱) بین لکھتا ہے، پہلے سوال کی نسبت کوئنلین کا خیال ہے کہ عنفوان شباب مین ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف ذہن بہ آسانی منتقل ہو جاتا ہے، لیکن پیری کے عیوب مین سے ایک عیب یہ بھی ہے کہ انسان اکثر ایک مضمون کا ہو کر رہجاتا ہے، ساتھ ساتھ متعدد مضامین کا مطالعہ نہین کر سکتا۔

(۲) سخت مضمون پر مغز کاوی کرنے کے بعد، کسی سہل و دلچسپ مضمون کیطرف رجوع کرنا چاہئے،

(۳) دوسرے اور تیسرے سوالون کا جواب یہ ہے کہ ایک مضمون کے خاتمہ پر اور دوسرے مضمون کے آغاز کے وقت سوال کرنا چاہئے کہ کیا پڑھا؟

(۴) کبھی اپنے مذاق کی کتابون مین اسقدر انہماک ہو جاتا ہے کہ دیگر مضامین کی جانب فی الجملہ بے التفاتی ہوجاتی ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دیگر مضامین کی نسبت معلومات نہایت محدود رہجاتی ہین، اس کا سدباب دو طرح سے ہو سکتا ہے،

ا۔ اپنے مذاق کے مطالعہ کا روزانہ وقت مقرر کرو،

ب۔ کچھ عرصہ کے لئے اسکو چھوڑ کر دیگر مضامین کی طرف متوجہ ہو جایا کرو،

(۵) مشکل کتاب کے مطالعہ کی دو صورتین ہو سکتی ہین، ایک تو یہ کہ اسکو ایک مرتبہ سرسری نظر سے دیکھ جاؤ، اور پھر غور سے پڑھو، دوسرے یہ کہ اول بار ہی ابتدا سے کمال غور و توجہ کے ساتھ آہستہ آہستہ پڑھو، آخر الذکر طریقہ قابل ترجیح معلوم ہوتا ہے، اسلئے کہ دوبارہ پڑھنے مین اسقدر گہری دلچسپی اور وہ ذوق و شوق قائم نہین رہتا جیسا کہ اول اول ہوتا ہے، اس بنا پر اگر ہم اس دلچسپی سے فائدہ نہ اٹھائین تو وہ ایک بہت بڑی فرو گذاشت ہوگی،

(۴) **عام کتب بینی**۔ اصل یہ ہے کہ کچھ نہ پڑھنے سے پڑھنا بہتر ہے، خواہ وہ سرسری طور ہی کیون نہو، عوام کا طریق مطالعہ یہی ہے کہ وہ جو پڑھتے ہین سرسری طور سے پڑھجاتے ہین، لیکن حقیقی طالبانِ علم بھی گاہے گاہے سرسری مطالعہ کرتے ہین، سرسری مطالعہ کی ایک شان تو یہ ہے کہ کسی کتاب کے جستہ جستہ مقامات پڑھ لئے جائین، اور دوسری صورت ماہواری رسائل اور اخبارات وغیرہ کا پڑھنا ہے، عموماً سرسری مطالعہ تفریح کے واسطے ہوتا ہے، لیکن اگر چاہو تو اُس سے بہت کچھ فائدہ بھی اٹھا سکتے ہو، رسالون کے بعض مضامین اس قابل ہوتے ہین کہ نہایت غور سے پڑھے جائین، اخبارات کی اکثر باتین مثالون کے لئے کام آسکتی ہین، پس ایک حقیقی طالبعلم کی تعریف یہ ہے کہ جسکے دل مین اخبار وغیرہ پڑھتے وقت بھی علم کی طلب صادق موجود ہو، اور جو اگرچہ اخبار اسطرح نہ پڑھے، جیسا کہ ایک علمی رسالہ پڑھا جانا چاہئے، لیکن جستجو مین رہے کہ کوئی کام کی بات ہاتھ لگ جائے تو اچھا ہے،

اس مین شک نہین کہ عام کتب بینی سے قدرت کلام و قوت اظہارِ خیالات خوب حاصل ہو جاتی ہے، ایک کتاب ختم ہونے سے پہلے دوسری کتاب شروع کر دینا، مختصر مضامین کا پڑھنا، مختلف ادبا کی تصنیفات کو خوب پڑھنا، خواہ ان مین سے کسی کا بالاستیعاب مطالعہ

نہ کیا جائے، اس سے زبان پورے طور پر قابو مین آجاتی ہے،

(۵) **مطالعہ ومشاہدہ کا توازن**، مطالعہ ومشاہدہ کے درمیان معتدل نسبت قائم رکہنا چاہیئے نہ اس کا پلاّ جھکنے پائے اور نہ اُس کا، افراط وتفریط سے احتراز لازم ہے، علم بغیر عَمل، اور عمل بغیر علم بیکار محض ہے، وکیل کے لئے قانونیات کا علم کافی نہین بلکہ عدالتی مقدمات کا تجربہ بھی ازبس ضروری ہے، طبیب کی تحصیل طبی ناقص رہتی ہے تا وقتیکہ اسکی تکمیل ان تجربات سے نہ کیجائے جو بستر مریض سے حاصل ہوتے ہین، طبعیات کا علم بھی بغیر تجربہ واختبار بیکار ہے، فلسفیات سے بھی کچھ فائدہ نہین اگر کائنات عالم کی طرف سے آنکھین بند کرلین،

(۶) **مطالعہ کے متعلقات**، مشاہدہ، مکالمہ، مناظرہ، مضمون نگاری مطالعہ کے متعلقات ہین، لیکن ان مین سے ہر ایک بجائے خود ایک مستقل فن ہی، مناظرہ کی تدوین اپنی قدامت مین شاید سب سے بڑھکر ہے، اسی طرح مشاہدہ کے اصول کی تاسیس بھی آج کی بات نہین، یہی حال مضمون نگاری کا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ فن مطالعہ کے دائرہ بحث مین اسقدر گنجائش کہان کہ ان فنون کے اصول کا تفصیلی ذکر کیا جائے، فنون متعلقہ کے مباحث فن مطالعہ کے مسلمات تصور کرنا چاہئین، اور انکی اکتساب وتحقیق براہِ راست ان فنون سے کرنا چاہیئے، چنانچہ ہین نے یہ امر تسلیم کرکے کہ متعلم مشاہدہ کے اصول سے واقف ہے، مکالمہ کرنا جانتا ہے، مضمون نگار ہے، مشاہدہ، مکالمہ، مطالعہ کے باہمی توازن وتناسب سے بحث کی ہی، فن مکالمہ کا موضوع بجائے خود ایک طولانی بحث ہے، اسحاق وٹیس نے "مکالمہ" کے عنوان سے "امپرو منٹ آف مائنڈ" مین ایک تفصیلی باب لکہا ہے، لیکن اسکے اندر جو ہدایات کی ہین وہ تمامتر اخلاقی ہین، علم النفسی نقطہ نظر سے ایک حرف نہین لکہا،

اپنا پڑہا ہوا کسی ہمدرد سُننے والے کو سنانے سے مطالب خوب ذہن نشین ہوجاتی ہین، اور دشواریان از خود رفع ہوجاتی ہین، اسکے علاوہ مطالعہ کی تھکن مکالمہ سے بالکل دُور ہوجاتی ہے، مبتدیان فن بھی اسپر عمل کرسکتے ہین، دو تین طالبعلم جدا جدا مختلف کتابین پڑہین، پھر باہم گفتگو کرین، اور ہر متعلم اپنی معلومات بیان کرے، اس طرح باتون باتون مین وہ امور معلوم ہوجائینگے اور وہ مسائل حل ہوجائینگے جسکے لئے وقت مدید درکار ہوتا،

مطالعہ کے متعلقات مین سے ایک اہم شے مضمون نگاری بھی ہے، بیکن کا قول ہی "مکالمہ انسان کو معلومات سے بھر دیتا ہی، مکالمہ اسکو حاضر جواب بنا دیتا ہے، اور تحریر سنجیدگی پیدا کردیتی ہے"، رقم طرازی سے معلومات کے اندر ایک نظام پیدا ہوجاتا ہے، خیالات سلجھ جاتے ہین، اور وہ پھر خاک کسی مصنّف کی قدر کریگا جو خود مصنف نہ ہو، اصل یہ ہے کہ پڑھنے کا لطف لکھنے سے اور لکھنے کا لطف پڑھنے سے ہی، دونون لازم وملزوم ہین،

"فن مطالعہ کا مقصود بالذات طالبعلم کے اندر غور وفکر کی عادت پیدا کردینا ہے تاکہ اپنی زندگی مین اعلےٰ درجہ کا مصنّف نہ کہ ادنیٰ درجہ کا مولف بنے"

بیسوین صدی کے مصنفین مین سے لارڈ مارلے کی راے بھی قابل اقتباس ہے:

(۱) پڑھتے وقت ہاتھ مین قلم یا پنسل ضرور ہونا چاہیئے،

(۲) جو پڑہو اسکی تلخیص کرو،

(۳) بین السطور مختلف رنگ کی روشنائی سے خطوط کھینچو اسطرح کہ مقدمات سے نتائج، اصول سے دلائل، دعادی سے ثبوت بیک نظر ممتاز نظر آئین،

(۴) کتاب پڑھنے سے قبل ان سوالات کی مختصر فہرست بنالیا کرو جنکا جواب اس کتاب سے ملنے کی اُمید ہے،

مبصرین فن کی ہدایات وآراکی تفصیل وتنقید کے بعد کچھ اور لکھنا باقی نہین رہتا، لیکن اکثر

ایسا ہوتا ہے کہ ذہن تفصیل سے پریشان ہوکر علمی سبق اخذ کرنے سے قاصر رہتا ہے، اس بنا پر چند نکات جو گذشتہ مباحث کا لب لباب ہین، اور جو علم النفس کے رو سے غلط ہدایتون کے مسترد ہونیکے بعد باقی بچتے ہین، درج ذیل کئے جاتے ہین،

مطالعہ کی تین منزلین قرار دیجاسکتی ہین، منزل اول قبل مطالعہ، منزل دوم اثنائے مطالعہ، منزل سوم بعد مطالعہ،

منزل اول قبل مطالعہ - علمی کتاب شروع کرنے سے قبل، گبن، اور لارڈ مارلے کی ہدایت پر عمل پیرا ہونا چاہئے، یعنی موضوع کتاب کے متعلق اپنی معلومات کا جائزہ کما حقہ لے لینا چاہئے کیا معلوم ہے اور کیا معلوم نہین، فولسکیپ کا ایک سادہ تختہ لو اور اسکو دو کالمون مین تقسیم کرو، ایک کالم کی سرخی "معلومات" اور دوسرے کی "مجہولات" قائم کرو، "معلومات" کے تحت مین موضوع کتاب کی نسبت جو جانتے ہو لکھو، اور مجہولات کے ذیل مین وہ سوالات لکھو جنکا جواب اس کتاب سے ملنا چاہئے، اگر ادبی رسالہ زیر مطالعہ ہے تو مصنف کے اسٹائل کی خصوصیات، طرز تعبیر و اسلوب بیان کی نسبت "معلومات" و "مجہولات" ترتیب دو،

منزل دوم، اثنائے مطالعہ، معلومات و مجہولات کی فہرست منضبط و مرتب کرلینے کے بعد پنسل ہاتھ مین لیکر کتاب بینی شروع کرو، ویٹس کا اصول ٹھیک نہین کہ پہلے کتاب کو سرسری نظر سے دیکھ لیا، اور پھر غور سے پڑھا، اسلئے کہ بقول ہین کے دوبارہ پڑھتے وقت دلچسپی باقی نہین رہتی، بس شروع ہی سے بہ غور آہستہ آہستہ پڑھو، اگر کسی لغت کے معنی معلوم نہ ہون تو اسے چھوڑ نجاؤ، پیراگراف پڑھ لینے کے بعد ذہن مین تلخیص کرو، اور اصل پوائنٹ کے نیچے پنسل سے خط کھینچدو، ٹاڈ اور آدم کے مجوزہ نشانات بنانے یا مختلف الالوان خطوط عبارت کے نیچے کھینچنے مین فائدہ سے زیادہ نقصان ہے، توجہ کی قوت کا صرف بیجا ہے، حالانکہ اسکی جسقدر کفایت کیجائے اتنا ہی کار آمد ہے،

مطالب و مباحث کا تفہم و تعقل کیا کچھ کم محتاج توجہ ہے کہ نفس کو غیر ضروری مشاغل مین مبتلا کیا جائے،

بہرطور اسی طرح پیرا بہ پیرا پڑھکر باب کو ختم کرو، اور اب اُن مقامات پر نظر ڈالو جن پر تم نے نشان لگا دیا ہے، اور اپنی عبارت مین کل باب کا خلاصہ لکھو، دلائل کی خامی و پختگی کا اندازہ کرو، اور لاک کی نصیحت کی خوب داد دو، اگر کتاب پڑھ رہے ہو تو مصنف کے اسٹائل کے اوصاف محاسن بیان و استعمال محاورات کا لحاظ کرو، اور نئے محاورون اور چست فقرون کو خود ساختہ جملون مین استعمال کرو تاکہ ذہن اُن پر بخوبی حاوی ہوجائے، پورا باب پڑھکر خلاصہ لکھو، یہ نہین کہ کتاب شروع کرتے ہی تلخیص کرنا شروع کردیا، جیسا کہ ہین کہتا ہے،

منزل سوم، بعد مطالعہ - اس طرح غور و توجہ کے ساتھ، آہستہ آہستہ کتاب پڑھنے کے بعد سوال کرو کہ تمہارے معلومات مین کسقدر اضافہ ہوا، اور مجہولات کے زیر عنوان جو سوالات تم نے قائم کئے تھے اُن مین کون کون حل ہوئے، اگر کتاب نظر ثانی کے قابل ہے تو دوبارہ ضرور پڑھو، ورنہ نہین، وقت قیمتی چیز ہے، یہ کوشش نہ کرو کہ جو پڑھو وہ یاد رہے، اسلئے کہ بقول شوپن ہائر جس طرح غذا کا فائدہ اسی مین ہی کہ ہضم ہوکر جسم کو قوت دے نہ یہ کہ معدہ مین قائم رہے، اسیطرح کتاب کا اصلی فائدہ یہ ہی کہ تحلیل ہوکر ذہن کو قوت بخشے، نہ یہ کہ دماغ مین حرف بہ حرف محفوظ رہے، اس نکتہ کے صحیح سمجھنے پر تمام تر ذہنی ترقی کا مدار ہے،

نسب نامۂ نبوی

آنحضرت کا سلسلۂ نسب اور بعض مباحث مہمہ

(متعلق سیرۂ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام)

افادۂ مولانا حمید الدین بی۔اے۔ صدر دار العلوم حیدرآباد دکن

اس باب مین جن حالات کا ذکر ہے، اُس مین آگے چل کر ہماری اور یہود کی تاریخ کا حصہ مشترک ہے، اور متعدد امور مین اختلافات ہین، ان اختلافات کے علاوہ مذہبی رقابت اور تعصب کی وجہ سے نصاری نے نئے مطاعن بھی اختراع کئے ہین، اِسلئے ضرور ہی کہ یہود و نصاری کے شبہات کا جواب دیا جائے، مگر ابھی ہم ان کانٹون مین نہین اُلجھتے، اولاً ہم سادہ طور پر حالات جمع کردیتے ہین، اس سے فارغ ہوکر مخالفین کے شبہات سے بقدر ضرورت تعرض کرینگے،

سلسلۂ نسب | آنحضرت کا سلسلۂ نسب تا آدم علیہ السلام حسب ذیل ہے،

محمد بن عبد اللہ بن عمرو ملقب بہ ہاشم بن قصی ملقب بجمع بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن اد بن ادد [بن الیسع بن الہمیسع بن سلامان بن نبت بن حمل بن قیدار] بن اسمعیل بن ابراہیم بن ازر بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالج بن عبر بن سالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح بن لامک بن متوشالح بن اخنوخ بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انش بن شیث بن آدم،

توراۃ مین حضرت آدمؑ سے دو سلسلۂ نسب مذکور ہین، ایک جو سلسل حضرت نوحؑ تک چلا آتا ہے اور ابھی گذرا، دوسرا جو منقطع ہوجاتا ہے، اور وہ یہ ہے: یامال، یوبال، توبال برسہ

پسران لامک بن متوشائیل بن محویائیل بن عیراد بن حنوک بن قائین بن آدم،[1] ان دونون سلسلون مین بہت زیادہ تشابہ ہے، اور بظاہر یہ دو جداگانہ روائتین ہین اور چونکہ عبرانی حروف مین تغیر کی جہت گنجائش ہے، اسلئے تناقض دور کرنے کے غرض سے ان نامون مین خفیف سا تغیر کردیا ہے

حضرت ابراہیم سے حضرت آدم تک سلسلۂ نسب توراۃ سے ماخوذ ہی، اور صرف ۲۰ پشتین ہین، بظاہر یہ بالکل خلاف قیاس ہے، اگرچہ توراۃ مین قرون اولی کے انسانون کی عمرین بہت زیادہ قرار دی ہین پھر بھی یہ مشکل حل نہین ہوتی،

از آدمؑ تا ابراہیم

موافق توراۃ عبرانی	۳۴۰۷
〃 〃 سامری	۲۳۲۲
〃 〃 سبعینی	۳۴۰۷

از آدم علیہ السلام تا طوفان

موافق نسخۂ عبرانی	۱۶۵۶
〃 〃 سامری	۱۳۰۷
〃 〃 سبعینی	۲۲۶۲

از طوفان تا ہجرت ابراہیم

موافق نسخۂ عبرانی	۳۶۵
〃 〃 سامری	۱۰۱۵
〃 〃 سبعینی	۱۱۴۵

[1] تکوین ص ۴،

یہ اعداد ہرگز قابل اعتبار نہین کیونکہ نہایت قوی تاریخی شہادتین موجود ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ
بنی آدم کا وجود توراۃ کی مفروضہ قرون سے بمراتب قدیم ہے،

اصل حقیقت یہ ہے کہ یہود کو جو سلسلۂ نسب ملا اسمین سے بہت سی کڑیان غائب تھین، نامور
اجداد کے نامون سے انکی اولاد پکاری جاتی تھی، توراۃ مین اسکی بہت سی مثالین ہین، بنی اسرائیل کو
جا بجا صرف اسرائیل کہا گیا ہے، اسی طرح حضرت شعیب کو کہین یثرو اور کہین حباب کے نام سے یاد
کیا ہے، اس استعمال کا یہ اثر ہوا کہ سلسلۂ نسب مین اکثر اجداد قبائل کے نام باقی رہ گئے، اور بیچ کے
اسمار ساقط ہوگئے، یہ نکتہ مرکوز خاطر رہنا چاہیئے کیونکہ انساب کی اکثر دقتین اس سے رفع ہوتی ہین،

قصیّ بن کلاب کا لقب مجمع اسلیئے پڑا کہ اس نامور شخص نے خانۂ کعبہ کی تولیت کو قبائل
جرہم سے جو بنی اسمعیل کے مامون زاد رشتہ دار تھے اور نابت بن اسمعیل کی وفات کے بعد خانہ کعبہ پر
غاصبانہ متصرف ہوگئے، پھر واپس لیا، اور فہر بن مالک کی اولاد کو جو منتشر تھی بطحا رمکہ کے اندر اور باہر
آباد کیا، اسوقت سے یہ تمام قبائل قریش کے نام سے موسوم ہوئے، اور پھر خانہ کعبہ کی تولیت پر جو
وراثت ابراہیمی اور مذہبی سرداری تھی صرف قریش کا قبضہ رہا۔

معد بن عدنان کی نسل نہایت ممتاز ہوئی اور بیشمار عدنانی قبائل عرب مین پھیل گئے،
مگر عدنان اور حضرت اسمعیلؑ کے درمیان جو شاخین تھین وہ یا تو زیادہ بارآور نہین ہوئین یا فنا ہوگئین،
اسلئے عدنان سے اسمعیلؑ تک سلسلہ نسب کو یاد رکھنے والے کم رہ گئے، اور محض چند ماہرین انساب کے
حافظون تک محدود رہا، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اس حصۂ نسب مین باعتبار تلفظ اسمار و تعداد و تقدم
و تاخر کچھ کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، اس پر مزید بحث جواب شبہات مین آئیگی، یہان اسقدر جان لینا
کافی ہے، کہ نسب نامون کے بالائی حصون مین ایسا ہونا کچھ بعید نہین، خود توراۃ مین نوح علیہ السلام سے
اوپر اسکی مثال ملتی ہے، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حضرت داؤد تک اگرچہ کچھ ایسا قدیم اور

طویل سلسلۂ نسب نہین پھر بھی نہایت مختلف ہے، بات یہ ہے کہ جن نامون کے ساتھ کوئی قابل
یادگار واقعہ منسوب نہین ہوتا، انہین زمانہ خواہ مخواہ یاد رکھنے کا ذمہ دار نہین، پھر یہ توقع رکھنی کہ انکے
صحیح تلفظ اور ترتیب مین بھی اختلاف نہ ہو بالکل عبث ہے، مگر اس اختلاف سے منتہائے نسب مین
کوئی شبہہ نہین پیدا ہوتا، اور نہ اسکے تواتر مین کوئی فرق آتا، آج ہر یہودی جو اپنی نسبت ابًا عن جد بنی
اسرائیل سنتا آتا ہے ایسا ہی یقین رکھتا ہے، حالانکہ سلسلۂ نسب اُسے ازبر نہین ہوتا یہی حال دنیا کے
تمام اقوام کا ہے، بعینہ اسی طرح عدنانی عرب یہ کبھی نہین بھولے تھے کہ وہ ابراہیم اور ہاجرہ علیہما السلام کے
اولاد ہین، اگرچہ عموماً بالائی حصہ انھین مسلسل یاد نہو،

ان عدنانیون کو عرب **مستعربہ** کہتے ہین کیونکہ اُن کے دادا اسمعیل علیہ السلام عرب مین
نووارد تھے،

بنی اسمعیل کا بنی جرہم سے رشتہ

مستعربہ سے پہلے عرب پر بنی قحطان حکمران تھے یہ قوم عبر کی نسل سے تھی جو
حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے اوپر چھٹی پشت مین پڑتے ہین، یہ لوگ زمانۂ دراز سے عرب کے
باشندہ تھے اور اسلئے انکو عرب **عاربہ** کہتے ہین، بنی قحطان نے بہت سی وسیع اور قوی شوکت
سلطنتین قائم کین، یمن سے شمال شام تک اور دجلہ سے نیل تک انکی حکومتین صدیون تک
رہین، اور ان ممالک کے عروج و تمدن کے بھی موسس تھے، ذوالقرنین جیسا نامور اور مقدس
بادشاہ اس قوم سے اٹھا، اسی قوم کے ایک فرمانروا نے جسکا نام توراۃ مین **ابوملک** لکھا ہے،
ابراہیم علیہ السّلام کا خیر مقدم کیا اور انکو حلیف بنایا، اور اسی قوم کے ایک معزز خاندان مین جو بنی
جرہم کے نام سے مشہور تھے اور حجاز مین حکمران تھے، حضرت اسمعیل کی شادی ہوئی،

تاریخی قرائن سے اس امر مین کوئی شبہہ نہین رہتا کہ حضرت ہاجرہ بنی جرہم سے تھین
اور غالباً مذکور الصدر ابوملک کی بیٹی تھین۔

بنی قحطان و بنی اسمٰعیل کا ایک قوم بنجانا

البتہ بنی قحطان کا عنصر بنی اسمٰعیل کے سلسلۂ نسب مین شروع سے داخل ہوگیا، اور انکی رگون مین بہت زیادہ قحطانی خون دوڑنے لگا؛ بنی اسمٰعیل اگرچہ نو وارد تھے مگر بنی قحطان نے اُنھین آنکھون پر بٹھایا، انکے یہان مہمان پرستی ایک قدیم دستور تھا جو انکی جبلت بنگیا تھا اجانب کے ساتھ انکی فیاضی کے لئے اتنا بس تھا کہ وہ اُنکے ملک مین آکر پناہ گزین ہون،

چونکہ نسل ابراہیمی کے ساتھ انکی مدارات کا ایک طویل سلسلہ ہے جس سے نہایت اہم نتائج پیدا ہوئے، اسلئے ہم اسکے چند خاص واقعات کا ذکر کرتے ہین:۔

(۱) اولاد حضرت ابراہیم جب بابل کی طرف سے وطن چھوڑکر نکلی تو کنعان ہوتے ہوئے اُنہین کے ملک مین آئی، اور اسوقت ابوملک نے اُنسے عہد اخوت باندھا اور حضرت ہاجرہ کو انکی خدمت مین دیا۔

(۲) حضرت اسمٰعیل جب بڑے ہوئے تو انکی شادی اسی قوم مین ہوئی اور یہین انکی نسلین پھلین پھولین، طبری مین لکھا ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی شادی سیدہ بنت مضاض بن عمر جرہمی سے ہوئی جنسے بارہ فرزند ہوئے، ثابت، قیدر، ادبیل، مبشا، سمیع، دما، ماس، ادد، وطور، نفیس، طما، قیدیان، اور ثابت و قیدر سے عرب پھیلے، تلفظ اسمار کے اختلاف کو طبری نے لکھا، قیدر قیدار، ادبیل ادبال، مبشا۔مبشام، دما۔ادما، ماس مسا، ادد۔حداد، طما۔تیم، و نافس نفیس، و قیدمان قادمن، اور بھی نسخ مین مثلاً نفیس۔قیس و قافس،

(۳) حضرت موسیٰ جب قبل نبوت مصر سے بھاگے تو ایک قحطانی عرب حضرت شعیب باشندۂ یثرب کے یہان آکر پناہ لی، چند سال انکی تربیت مین رہے اور پھر داماد بن کر رخصت ہوئے، اور بار دگر جب حضرت موسےٰ مصر سے بنی اسرائیل کو لیکر نکلے تو اسی ملک مین آئے اور حضرت شعیب نے ان کو بنی اسرائیل پر حکومت کرنے کا گر بتایا۔

(۴) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جب خود انکی قوم نے ترک وطن پر مجبور کیا تو اسی یثرب کے قحطانی عربون نے علی رغم قریش آنحضرت کو یہ کہکر دعوت دی کہ آپ ہمارے گھر آجایئے، پھر ہم تمام اسود و احمر کے مقابلہ مین آپکی حمایت پر کمربستہ ہین، اور جو کہا تھا وہ کر دکھایا اور خدا نے اُنہین انصار کا لقب دیا۔

پس عدنانی اور قحطانی عرب باہمی مناکحت اور معاشرت سے ایک قوم بنگئے، اور اسی تشابک ارحام کی بنا پر یثرب کے بنی قحطان آنحضرت کو اپنی اولاد مین شمار کرتے تھے، انکا یہ دعوے تمام بنی اسمٰعیل کے نسبت بھی صحیح ہوتا مگر آنحضرتؐ کی نسبت تو بالخصوص قوی تھا، کیونکہ عبدالمطلب کا ننہال یثرب ہی مین تھی

بنی اسمٰعیل کا حجاز مین آباد ہونا اور خانہ کعبہ کی تعمیر

تاکہ وہ واقعات جو بنی اسمٰعیل کے حجاز مین آباد ہونے اور بطحا رمکہ مین ایک مرکز توحید کی بنیاد پڑنے سے متعلق ہین بہ ترتیب ذہن نشین ہون ضرور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے حالات سے آغاز کیا جائے کیونکہ وہی ان برکات کا سرچشمہ ہین،

سامی اقوام نے جب عرب سے نکل کر بابل مین سلطنت قائم کی تو حضرت براہیم علیہ السّلام کے اجداد بھی وہین جاکر مقیم ہوگئے، جب رفتہ رفتہ دین فطرت پر شرک کا غبار چھا گیا تو خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو مبعوث کیا،

اسوقت بابل مرکز تمدن تھا، اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے والد ایک معزز شاہی عہدہ دار تھے اہل ملک نے کواکب کے بُت بنا رکھے تھے اور بلند مقامات پر انکے ہیکل قائم کئے تھے، بادشاہ ان کواکب کا مظہر یا اوتار سمجھا جاتا اور عملاً وہی معبود بنگیا تھا، حضرت ابراہیم نے ان مین توحید کا وعظ شروع کیا، اور ایک مدت تک اُنھین سمجھاتے رہے،

قوم اور بادشاہ اور باپ سے بحث و تکرار ہوتی رہی مگر یہ لوگ روز بروز زیادہ سخت اور

درشت ہوتے گئے، بالآخر جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام اہل وطن کی دشمنی سے تنگ آگئے اور انکی ہدایت کی کوئی امید نہ دیکھی تو ہجرت کا عزم کیا، صرف حضرت لوط جو اُنکے بھتیجے تھے اور حضرت سارہ جو انکی بیوی تھین، ایمان لائے تھے، انکو ساتھ لے لیا اور ملک عرب کی طرف جو سامی قوم کا اصلی مرکز تھا روانہ ہوئے، تاکہ اسکی سادہ اور آزاد زندگی مین جو مردم پرستی کی دشمن ہے، اُس اصلی مرکز توحید کو ڈھونڈھین جو خداوند تعالیٰ کا خاص معبد ہو، کواکب پرست کے بلند مقامات سے اور متمدن اقوام کے نظام زندگی سے یہ طبعاً متنفر تھے، اِسلئے اولاً یہ مغرب کی سمت مین روانہ ہوئے، اور کنعان زمین پست مین پہونچے، چند سال یہان قیام کیا، خدانے برکت دی اور بھیڑ بکریان اور نوکر چاکر کی افزائش ہوئی اور ایک دولتمند رئیس بنگئے، یہین ایک میدان مین اس نواح کے ایک عرب سردار نے جسکا نام ابوملک تھا، آپ کو اپنا خلیفہ بنایا اور حضرت ہاجرہ کو آپکی خدمت مین حوالہ کیا، آپنے اس مقام پر سات کنوئین کھدوائے اور چند درخت نصب کئے، اور اس لئے وہ مقام بیر سبع کے نام سے مشہور ہوا،

حضرت ابراہیم کی عمر اسّی سے متجاوز ہوگئی مگر ہنوز کوئی اولاد نہوئی، آپنے دعا فرمائی اور منت مانی کہ پہلا لڑکا خدا کی نذر ہوگا، خداوند تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ کے بطن سے ایک فرزند عطا فرمایا، آپ نے اس فرزند کا نام اسمعیل رکھا (یعنی خدا نے سُنا)

بیر سبع سے کچھ فاصلہ پر شمال مین ایک شہر تھا، اور اہل شہر مین دولت کا وفور اور فواحش کی کثرت تھی، حضرت لوط کو اُنکی ہدایت کیلئے بھیجا، وہ مدت تک انکو سمجھاتے رہے، مگر اہل شہر اپنے عقائد باطلہ اور افعال شنیعہ سے باز نہ آئے، اور حضرت لوط کو ستانا شروع کیا، خدا کی طرف سے حضرت ابراہیم کے پاس پیغام آیا کہ لوط کے شہر پر عذاب آئیگا، حضرت ابراہیم نے خدا سے الحاح کی کہ شائد وہان کوئی نیک بندہ ہو، جواب ملا کہ لوط کے گھر کے سوا سب بدکار ہین اور عذاب

مقدر ہو چکا ہے، اسکے ساتھ حضرت ابراہیم کو یہ بشارت ہوئی کہ حضرت سارہ کی بطن سے بھی اولاد ہوگی اور انکی نسل بہت بڑھیگی، اُسوقت حضرت ابراہیم کی عمر ۹۹ سال کی تھی، ادہر حضرت لوط کو پیغام الٰہی پہونچا کہ اپنے اہل وعیال کو لیکر اس شہر سے باہر نکل جائین کیونکہ کل یہ شہر تباہ کر دیا جائیگا، حضرت لوط راتون رات نکل گئے، اور صبح کو سخت آندہی آئی، اور تمام شہر کنکر پتھر کے تلے دفن ہوگیا۔

حضرت ابراہیم کو اس شہر پر عذاب نازل ہونے کی خبر ملی اور سمجھا کہ اس نواح مین اُس مرکز توحید کو ڈھونڈھنا جسکے وہ متمنی تھے عبث ہے، مگر حضرت سارہ حاملہ ہوگئین، اور دوسری سال جب حضرت ابراہیم کی عمر ۱۰۰ برس کی ہوئی اور حضرت سارہ ۹۰ برس کی تھین، انکی بطن سے حضرت اسحٰق پیدا ہوئے،

تھوڑے انتظار کے بعد حضرت ابراہیم نے متعلقین کو بیر سبع مین چھوڑا اور خود جنوب کی طرف روانہ ہوئے، توفیق الٰہی نے رہبری کی، بطحا مکہ مین پہونچے، دیکھا تو چارون طرف پہاڑیان ہین، مگر ہر طرف سے راہین کھلی ہوئی ہین، زمین پست اور خشک اور غیر آباد ہے، بیچ مین ایک چشمہ ہے (جسکا نام زمزم پڑا) اُسکے پاس ذرا دم لیا (اور وہی جگہ ہمیشہ کے لئے مقام ابراہیم کھلائی) تمام وادی بطحا سکون وخاموشی ویکسوئی کی تصویر نظر آئی، سمت غیب سے نسیم امید چلی اور دل شگفتہ ہوگیا، خواب مین دیکھا کہ اسمعیل کو بکمال شوق اپنے یگانہ معبود کے لئے قربان کر رہے ہین، اپنی نذر کو یاد کر کے سمجھا کہ یہی تعبیر ہے، اور یہین خدائے یگانہ کا بیت عتیق یعنی قدیم پرستشگاہ ہے،

بیت عتیق اس وادی مین خدا کا پہلا گھر تھا، اور اسکے حق مین یہ مقدر تھا کہ باطل پرستون کو دور پھینکتا رہے، چنانچہ جب یہان کے باشندے بت پرست ہوگئے اور جوار مکہ سے منتشر ہوئے تو اس معبد کے پتھرون کو بغرض پرستش لیتے گئے، پس جب ابراہیم علیہ السّلام آئے تو "بیت عتیق" کا بقیہ صرف ایک چمکتا ہوا پتھر رہگیا تھا، اسی کو یادگار سمجھا، اور اس مقام کی نشانی

قرار دیکر فوراً بیر شبع کو واپس گئے، اور اسمعیل علیہ السّلام کو جو اسوقت تقریباً ۱۶ برس کے تھے اپنے ساتھ بطحا، مکہ مین لائے، اُنسے واقعہ خواب بیان کیا، اُنھون نے کہا جو آپ کو حکم ہوا ہے، بجالایئے مین انشاء اللہ مستقل رہونگا، سواری اور ملازمین کو کوہ **صفا** پر چھوڑا، اور اسمعیل کو لیکر اس مقدس جگہ کی سامنے سات بار بطور نذر کے پھرایا، اور سامنے کی ایک چٹان پر جسکا نام مروہ ہی، ذبح کرنے لگے ندا آئی، بس ہوچکا یہ فقط ایک آزمائش تھی جس مین تم اور اسمعیل دونون پورے اُترے، اسمعیل کو ذبح نہ کرو، دیکھو ایک فدیہ موجود ہے، اُسی کی قربانی کافی ہے، اور یہ دائمی یادگار رہیگی، تھوڑے فاصلہ پر جنگل تھا، اس طرف گئے تو جھاڑیون مین (یہین مسجد الکبش ہے) ایک مینڈھا نظر آیا، اُسے لائے اور قربانی کی رسم ادا کی، اسکے بعد الہام ہوا کہ یہین ایک معبد بناؤ اور منادی کردو کہ لوگ یہان آکر اقرار توحید کرین، اور خدا کے نام کی نذر چڑھائین، یہی مرکز توحید ہے، اور اسمعیل جو نذر کیا گیا ہی وہ اُس کا خادم ہوگا، اور مین اُسے ایک بڑی قوم بناؤنگا، اور ۱۲ اُمتین اسکی نسل سے پیدا ہونگی اور اس کا نام بکہ (یعنی آباد جگہ) رکھنا، تم اور اسمعیل دونون اس عبادتگاہ کو پاک اور صاف رکھنا، ابراہیم اور اسمعیل نے مل کر اس یادگار پتھر کے نیچے زمین کھودنا شروع کیا، قدیم بنیاد نکلی اسکو بلند کیا، اور اس معمارون کے پھینکے ہوئے پتھر کو گوشہ مین جگہ دی، جب گھر بنگیا تو اُسکے مشرق مین حضرت ہاجرہ اور اسمعیل کو لاکر آباد کیا حضرت سارہ اور حضرت اسحٰق کو بیر شبع مین رہنے دیا، اور خود اکثر حضرت اسمعیل کے پاس آکر رہتے، توراۃ مین ہے کہ حضرت سارہ کا انتقال ہوا تو حضرت ابراہیم وہان موجود نہ تھے، خبر سُنی تو جاکر اُنھین دفن کیا، یہود نے یہ لکھنا گوارا نہ کیا کہ وہ حضرت اسمعیل کے پاس تھے۔

لاہور کا مشہور فارسی شاعر

مسعود سعد سلمان

(۳)

ترجمہ: پروفیسر عبدالقادر ایم اے

دور ثانی: زمانہ قید
۴۸۰ھ۔ ۵۰۰ھ
۱۰۸۷ع۔ ۱۱۰۶ع

سیف الدولہ کی خدمت مین چندے آسودگی اور خوشحالی مین بسر کرنے کے بعد مسعود سعد سلمان دفعتہً مصائب مین مبتلا ہوتا ہے، اس داستان کا آغاز یہ ہے کہ ہندوستان مین بعض حکام اسکی جائداد پر قبضہ کر لیتے ہین، وہ فریاد و دادخواہی کے لیے ہندوستان چھوڑ غزنین جاتا ہے مگر وہان پہنچنے کے بعد معرض بدگمانی مین آتا ہے اور سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود کے حکم سے قید مین ڈال دیا جاتا ہے اور اسی حالت مین وہ پورے دس برس تک پڑا رہتا ہی، سات سال قلعہ سو اور قلعہ دہک مین اور تین سال قلعہ نای مین۔

بعد انقضائے زمانہ حبس سلطان ابراہیم نے ابوالقاسم خاص کی سفارش سے اس کو قیدخانہ سے رہا کیا، اس کے بعد وہ ہندوستان لوٹا اور اپنے باپ کی جائداد کا پھر مالک کیا گیا۔ اس موقع پر سلطان ابراہیم نے وفات پائی، اور اس کا بھائی سلطان مسعود فرمانروا ہوا بادشاہ نے ہندوستان کی حکومت اپنے بیٹے **عضد الدولہ** شیرزاد بن مسعود کو دی اور شیرزاد کے نائب اور سپہ سالار ابونصر فارسی نے مسعود سعد سلمان کو **جالندر** (جالندھر) کی جو بظاہر لاہور کے توابع سے تھا حکومت عطا کی، کچھ دنون کے بعد ابونصر کا اقتدار جاتا رہا، مسعود سعد بھی جالندر کی گورنری سے معزول کیا گیا، اور دوبارہ قلعہ مرنج مین مقید کیا گیا، جہان آٹھ

یا نو سال تک پابزنجیر رہنا پڑا، آخر کار **ثقۃ الملک** طاہر بن علی مشکان کی سفارش سے اُسنے رہائی پائی،

اب ہم اِس اجمال کو تفصیل سے بیان کرتے ہین اور اس کے ان اشعار کو جنمین مذکورۂ بالا واقعات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے ترتیب سنین نقل کرتے ہین :-

پہلی قید اوپر ذکر کیا گیا کہ پہلی قید کا زمانہ دس سال تک رہا۔ سات سال قلعۂ سو اور قلعہ دہک مین گذرے اور باقی تین، قلعۂ نائی مین[1]۔ جیسا کہ وہ خود صاف صاف کہتا ہی:

ہفت سالم بکوفت سو و دہک	پس از آن سہ سال قلعۂ نائی

اس زمانہ مین اُسنے سلطان ابراہیم کے تمام امراء وزراء اور ندماء مثلاً علی خاص اور اس کا بیٹا محمد خاص، ابوالرشد رشید خاص، بہروز بن احمد وزیر۔ اور اس کا بیٹا محمد بن بہروز۔ اور عبدالحمید بن احمد بن عبدالصمد وزیر کی شفاعت اور مہربانیان حاصل کرنے کی کوشش کی، اور ہر ایک کی مدح مین کئی قصاید لکھے اور قید خانہ کی تکلیفون کو بیان کیا۔ اتنا ہی نہین بلکہ سلطان ابراہیم سے رحم وبخشش کے لیے بلاواسطہ درخواستین بھی کین اور اس کو دردانگیز اشعار لکھکر بھیجے، جنمین اُس بادشاہ کی تعریف وتوصیف کے ساتھ اپنی محبوسیت کی تکلیفون کا رقت انگیز بیان شامل کیا۔ مگر یہ تمام کوششین

[1] نظامی عروضی کہتا ہے کہ مسعود سعد سلمان ابراہیم کے عہد مین بارہ سال تک مقید رہا، نظامی اور عوفی بھی ایسا گمان کرتے نظر آتے ہین، کہ یہ تمام مدت دوازدہ سالہ قلعۂ نائی مین بسر ہوئی، یہ دونون مقدمے غلط ہین، اور یہ نتیجہ خود شاعر کے کلام سے باطل ٹھہرتا ہے، جیسا کہ عنقریب ظاہر ہوگا، دوسرے تذکرہ نویسون نے ان دونون کی غلطیون کا تتبع کیا ہے، دوسری غلطی یعنی مسعود کا زمانۂ قید نائی مین گذرا، لفظ بازی کے ایک نادر اتفاق سے پیدا ہوئی ہی جسکا موقع شاعر کو اس قلعہ کے نام کے باعث ملا۔ نائی اسم عام ہے، بمعنی نے مشہور آلۂ موسیقی اور گلو، اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا ہے اور قسم قسم کے ایہامات پیدا کیے ہین، اسی وجہ سے نائی کے نام سے ہر شخص واقف ہے، مگر سو اور دہک کے نامون مین اس قسم کی ایہام پیدا کن صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے اُسکے کلام مین بہت کم مذکور ہین اور نسبتہً غیر معروف ہین۔

رائگان گئین، اور انکا نتیجہ یہ نکلا کہ اس سخت قلعہ سے سخت تر قلعہ مین اس کا تبادلہ ہوا۔ اور پہلے سے زیادہ سخت تکالیف مین مبتلا ہوا، آخر الامر دس سال کے بعد خطا معاف ہوئی، اور سلطان ابراہیم نے ابوالقاسم خاص کی سفارش کی وجہ سے رہائی بخشی، حبسیات کی تمام نظمین سلطان ابراہیم کے عہد مین تصنیف ہوئین اور وہ اسی قیدِ اول کے زمانہ کی ہین، ان مین مذکورہ بالا وزراء اور امراء کی مدح ہے، اور قلعجات سو اور دہک اور نائی کے نام مذکور ہین۔

علی خاص کی تعریف مین جو دربار ابراہیمی کا ایک شاہ پسند امیر تھا، ایک قصیدہ ہے جسمین مسعود کہتا ہے، کہ یہ قصیدہ قلعہ سو کے قید کے ایام مین کہا گیا اور پچھلی حبس مین جو قلعہ دہک مین بسر ہوئی وہ زیادہ آرام سے تھا، اور اسکے ساتھ بہتر سلوک کیا جاتا تھا، اور جب کبھی علی خاص، دہک سے گذرتا، اسکے حال پر کچھ احسان اور مہربانی کرتا، مگر جب سے قلعہ سو مین بند ہے، بالکل خوار اور بےکس ہے، اور دوستون اور عزیزون سے بالکل منقطع، اسی قصیدہ کے بعض ابیات جائے ولادت کے تحت مین مذکور ہوئے ہین، وہ کہتا ہے:-

برین حصار مرا باستارہ باشد راز	بچشم خویش ہمے بینم احتراق وقران
وگرنہ از من کس را ہمے بیاید یاد	کہ ہست یا نہ مسعود سعد بن سلمان
نشستہ بودم در کنج خانۂ بدہک	بدولت تو مرا بود سیم وجامہ ونان
چو بر حصار گذشتے خجستہ رایت تو	شدی دمادم بر من مبرّت واحسان
کنون نگویم کاحسان تو زمن ببرید	کہ چون حساب کنم بر شود زعقد بنان

[1] سو اور نائی کے اصل مقام مین تعین نہین کر سکا، یہ دونون غیر معروف معلوم ہوتے ہین، انھین اسقدر اہمیت یا شہرت حاصل نہ تھی کہ قدیم جغرافیین انکا ذکر کرتے، لیکن دہک ایک منزل کا نام ہے جو زرنج (دارالامارہ سیستان) اور بست کی راہ پر واقع ہے، اور یہ حدود زابلستان یعنی مملکت غزنین مین داخل ہے، دیکھو دی خویہ کی کتاب، جغرافیین عرب اصطخری صفحات ۲۵۰-۲۴۹، اور دیکھو ابن حوقل صفحہ ۳۰۵ اور مقدسی صفحہ ۳۵۰۔

بدولتِ تو مرا نیست اندۂ نفقات | زخلعتِ تو مرا نیست جامۂ خلقان
ولیک گشت مرا طبع این ہوائے عفن | زحیر گشتم از این مردمانِ بے سامان
اگر بودی تیمارِ آن ضعیفۂ زال | کہ چشمہاش چو ابر است و اشک چو باران
خدائے داند اگر غم نہادمے بر دل | کہ حال گیتی ہرگز ندیدہ ام یکسان
ولیک زالی دارم کہ در کنارِ مرا | چون جان شیرین پرورد و مرد کرد و کلان
نہ بست ہرگز او را خیال و نندیشید | کہ من بقلعہ سو مانم او بہندوستان

ایک اور قصیدہ مین جو محمد خاص کی تعریف مین ہے لایہ محمد خاص سلطان ابراہیم کا ندیم اور علی خاص کا بیٹا تھا، اور باپ کے انتقال پر عہدۂ خاص یا خاصہ پر فائز ہوا[۱] مسعود سعد سلمان لکھتا ہے کہ نو سال سے زیادہ مین قید مین ہون، اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ جسوقت یہ قصیدہ کہا گیا وہ قلعہ نائی مین محبوس تھا۔

فزون است نہ سال تا من کنون | نہ با دوستانم نہ با دودمان
مرا جائے کوہ است و اندوہ کوہ | تنم در میان دو کوہِ کلان

---

[۱] مسعود نے ایک قصیدہ مین علی خاص کے انتقال پر نہایت افسوس ظاہر کیا ہے، ایک اور قصیدہ مین علی خاص بن خاص کی تعریف کی ہے، اور اسکو مبارکباد دی ہے اس کا ایک مصرع یہ ہے، ع شد خاص بادشا پسرِ خاصِ پادشاہ اسی قصیدہ مین سلطان ابراہیم کا نام بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علی خاص کی وفات اسی کے عہد مین ہوئی، اور باپ کا عہدہ بیٹے کو دیا گیا، اس عہدۂ خاص یا خاصہ کے فرائض کی نسبت کچھ ٹھیک طور سے معلوم نہین، قریب قریب یہ بھی خدمت مخصوص یا امین حضور یا حاجب الدولہ یا اسی قسم کے کسی اور عہدہ کے مطابق ہونے چاہئین۔

فلسفۂ طبعی کے حیرت انگیز انکشافات[۱]

(انیسوین صدی مین)

گلیلو، مملکت ایطالیہ کا مشہور فلسفی گذرا ہے، دوربین اسی نے ایجاد کی، جنوری سنہ ۱۶۱۰ء کی ۷- تاریخ کو اس نے دوربین کی مدد سے سیارۂ مشتری کا نظام دریافت کیا تھا جو قدر و وسعت مین اگرچہ نظام شمسی سے چھوٹا ہے، تاہم اسمین وہ تمام خصوصیتین موجود ہین جنکو اس عظیم الشان کائنات کی ترکیب عنصری مین دخل ہے، اس نے چاند کی مختلف کیفیتون پر غور کیا تھا، اور آفتاب کے داغ مشاہدہ کئے تھے، آفتاب کا اپنے محور پر حرکت کرنا، اسی فلسفی کا انکشاف ہے، اور ستارۂ زحل کے متعلق بعض خاص باتین بھی اُسکی دریافت کی ہوئی ہین، یہ تمام انکشافات اس سے ایکسال کی قلیل مدت مین ظاہر ہوئے، جو درحقیقت اختراع و انکشاف کی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ ہین۔

گلیلو نے سنہ ۱۶۴۲ء مین وفات پائی، لیکن فلسفہ طبعی روز بروز ترقی کرتا گیا، اسی سال آئزک نیوٹن کی ولادت ہوئی جس نے اپنی عمر کے چوبیسوین سال سے جاذبیت کو اپنا موضوعِ سخن قرار دے لیا تھا، سترھوین صدی ختم نہ ہوئی تھی کہ جاذبیت عامہ کا قانون بتمام و کمال دریافت کر لیا، موجودہ علم الطبیعیات کا اساس محکم یہی جاذبیت عامہ ہے، اٹھارھوین صدی مین اسی بنیاد پر تعمیرات کا ایک سلسلہ شروع ہوا تھا، جو انیسوین صدی مین ایک عالیشان قصر، ایک بلند عمارت، اور ایک طویل سلسلۂ مکانات کی شکل مین جلوہ گر ہوا، یہ قصر حسب ذیل حصون پر تقسیم تھا۔

حرارت | سترھوین اور اٹھارھوین صدی کے فلاسفر حرارت، اور مادہ کے اجزا صغیر (دقائق) کی

---

[۱] ماخوذ از المقتطف صفحہ ۴۴ مورخہ یکم جنوری سنہ ۱۹۰۶ء۔

حرکت کو ایک خیال کرتے تھے، لیکن اس خیال کا اس زمانہ مین چندان اثر نہ تھا، لوگ پرانے مذہب پر قائم تھے. جنکا ماحصل یہ تھا کہ حرارت ایک سائل لطیف ہے جو جسمون کے گرم ہوتے وقت سما جاتا ہے، اور ٹھنڈے ہونے پر باہر آجاتا ہے، لیکن اس خیال مین قباحت یہ تھی کہ بداہت و واقعیت کے خلاف تھا، کیونکہ اُسکے روسے گرمی کے وقت جسم کو بھاری اور سردی کے وقت ہلکا ہونا چاہیئے، حالانکہ دونون صورتون مین جسم کی یکسان حالت رہتی ہے.

اس بنا پر ان لوگون کو تاویل کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ سائل کے ساتھ یہ قید لگائی کہ جو وزن دار نہو، اسی طرح مادہ کہنے کی بجائے اسکا نور، قوت برقی، اور قوت مقناطیسی کے زمرہ مین شمار کیا، کیونکہ مادہ کے لئے وزن ایک لازمی شے ہے، اُنکے نزدیک حرارت کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک نرم چیز ہے، اسکے دقیقے جدا جدا اور متدافع ہوتے ہین، اور وہ مادے کو اپنی طرف کھینچتی ہی

اٹھارہوین صدی کے اخیر مین امریکہ کے ایک مشہور عالم بنیامین ٹامسن (کاونٹ رمفورڈ) نے حرارت کے متعلق اپنا تجربہ اور نتیجہ بحث پیش کیا جس سے مذہب قدیم کی فرسودہ عمارت منہدم ہوگئی، اور اسکی بنیاد پر مذہب جدید کی طرح اقامت پڑی، اُسکا مشہور ترین تجربہ جرمنی کے شہر میونچ مین مکمل ہوا تھا،

وہ ایک توپ کے پاس جسمین آگ دگئی تھی، کھڑا ہوا تھا، اسکی گرمی سے سخت متحیر ہوا، اور یہ خیال قائم کیا کہ تولید حرارت کے لئے رگڑ ایک ضروری شے ہے، جب تک رگڑ باقی ہے، حرارت کم نہین ہوسکتی، اس بنا پر جو چیز رگڑنے سے پیدا ہو وہ مادہ کیونکر ہوسکتی ہے، اِس لئے حرارت حرکت ہے نہ مادہ.

یہ خیال مدت تک قائم رہا، پروفیسر دافی نے جو انگلستان کا باشندہ تھا، اسکی تائید مین اپنے ذاتی تجربے پیش کئے، جن مین ایک یہ بھی تھا کہ دو چمڑون کو جنمین کسی قسم کی حرارت نہ تھی

رگڑ کر گرم کردیا، تاہم اُنیسوین صدی کے نصف تک یہ صدا بے اثر رہی، اور کتب علمیہ خیالات قدیم کے ذکر سے معمور رہین، چنانچہ ۱۸۵۶ء مین انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا جو آٹھوان ایڈیشن طبع ہوا تھا، اس مین حرارت کی ماہیت پر حسب ذیل الفاظ مین روشنی ڈالی گئی تھی،

"وہ ایک عامل مادی ہے، اور عجیب و غریب خواص رکھتی ہے"

حالانکہ مشاہیر علما جنمین ہلمہلٹز، اور ولیم ٹامسن (لارڈ کالون) بھی داخل ہین، تجارب کثیرہ سے حرارت کو حرکت ثابت کرچکے تھے.

فلسفۂ طبعی کا نیوٹن کے زمانہ سے لیکر اسوقت تک یہ عظیم الشان انکشاف تھا.

اُنیسوین صدی کے اوائل مین ماہران فلسفۂ طبعی، بخار اور گیس کو مادہ کی ایک خاص شکل تصور کرتے تھے، وہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ سائلات کے بخار کو آسانی سے سائل بنایا جاسکتا ہے، لیکن یہ نہ جانتے تھے کہ گیس بھی سائل بن سکتا ہے، فارادائی نے اس عقدہ کو بھی حل کردیا، اس نے بعض گیسون کو دبا کر سائل بنایا، اس سے پیشتر بھی بعض علما، امونیا، روح نوشادر گندہک کے ترش گیس، اور کلور کو ٹھنڈک پہونچا کر سائل بنا چکے تھے.

فارادائی کے تجربہ کے ۲۵ برس بعد تک یہ خیال قائم تھا کہ زیادہ دابنا اور حرارت کا کم کرنا، گیس کو سائل کرنے کے لئے لازمی امر ہین، ابھی تک سائلات اور گیس کے اصلی تعلقات کسی پر واضح نہ تھے،

۱۸۷۷ء مین دو فرانسیسی عالمون نے آکسیجن، ہیڈروجن، نٹروجن، اور ہوا کو سائل بنایا تھا، اسکے بعد ماہرین فن اسکی اور شہادتین بہم پہونچاتے گئے، یہانتک کہ گیسون کو سائلات اور سائلات کو جوامد مین منتقل کرنا ممکن ہوگیا، نیز سنٹی گریڈ کی ترازو مین صفر کے نیچے ۲۵۰ درجہ تک حرارت کو بھی کم کرنے کی قدرت حاصل ہوئی.

حرارت کے اس خیال نے حفظ قوت کے مبدر کی طرف رہنمائی کی -

حفظِ قوت اس مبدر کی وجہ سے فلسفہ طبعی کو قوت سے وہی مناسبت ہوتی ہے جو کیمیا کو مادہ سے ہے مادہ کا افنا اور اعادہ اگر انسان کے اختیار مین ہوتا، تو علم کیمیا علوم کی صف مین جگہ بھی نہ پاتا، اسکے مستقل فن بننے کا سبب یہ ہے کہ وہ غیر فانی اور محفوظ شے ہے، اسی طرح فلسفۂ طبعی کی بنا بھی ایک مضبوط چٹان پر قائم ہے، یعنی اس مین "حفظ قوت" کا مسئلہ فرض کیا گیا ہے جسکا مدعا یہ ہے کہ قوت کو نہ انسان پیدا کر سکتا ہے نہ فنا کر سکتا ہے، البتہ اسکی مختلف صورتین کمی بیشی کر کے بدل سکتا ہے -

اس دشت کا سب سے بڑا مرد میدان انگلینڈ کا ایک شخص تھا جسکا نام جول تھا، اسکی بحثون کا خلاصہ یہ ہے کہ پانی کی ایک خاص مقدار مین فارنہیٹ تھرمامیٹر کے مطابق ایکدرجہ حرارت پیدا کرنے کے لئے جسقدر حرارت کی ضرورت ہے، وہ اس میکانیکی قوت کے برابر ہے جو اس مقدار کو ۷۷۲ فٹ زمین سے اوپر اٹھاتی ہے اسی طرح اسکے برعکس جب پانی ایک خاص مقدار مین ۷۷۲ فٹ بلندی سے نیچے گرایا جائے اور پھر دفعۃً نیچے روک لیا جائے تو اسکے رکنے سے جو حرارت پیدا ہوگی وہ مقیاس فارنہیٹ مین سابقہ حرارت کر ایک درجہ بڑھا دیگی

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس سنہ (۱۸۴۷ء) مین جول نے اپنا یہ انکشاف پیش کیا اسی مین جرمن کے ایک فاضل (ہلمہلتز) نے فلسفہ طبعی کی ایک مجلس مین جو برلن مین منعقد ہوئی تھی، انھین خیالات سے ملتا جلتا ایک مضمون پڑھا تھا، حالانکہ اس سے اور جول سے پیشتر کسی قسم کے تعلقات قائم نہ تھے -

ہلمہلتز (متوفی ۱۸۹۴ء) اپنے زمانہ کا بہت بڑا ریاضی دان، اور فزیالوجسٹ شمار کیا گیا ہے، فلسفہ طبعی مین یہ پایہ تھا کہ انیسوین صدی مین سواے ایک شخص کے کوئی بھی اسکا ہمسر نہ تھا، اور وہ لارڈ کالون تھا، کالون کو یہ شرف حاصل تھا کہ جول کا مبدر حفظ قوت کے

واضح کرنے مین ممد و معاون رہا تھا -

اس موضوع مین ایک انگریز فاضل ٹنڈل کو بھی اچھا درک تھا

انیسوین صدی کے اخیر حصہ مین جسقدر انکشافات و اختراعات ہوئے، انکا اصل اصول بھی مبدر حفظِ قوت ہے؛

نور انیسوین صدی کے ناقابل زوال کارنامون مین نور کے تموج کا خیال بھی ہے سب سے پیشتر انگلینڈ اور فرانس کے دو شخصون ٹوماس ینگ اور فرانسنل کے ذہن مین یہ خیال جاگزین ہوا - ایزک نیوٹن نے بھی نور کے متعلق ایک رائے ظاہر کی تھی، جو قبول عام کی سند سے محروم رہی، نیوٹن کے نزدیک نور ایک مادہ ہے، اور روشن اجسام چھوٹے چھوٹے دقیقے جدا کرتے ہین جو منعکس ہوتے اور ٹوٹتے رہتے ہین، اور انسے روشنی پیدا ہوتی ہے،

جسطرح آواز کے لئے ہوا کی ضرورت ہے، تموجی حرکت کے پھیلنے کے لئے بھی کسی وسط اور ظرف کا ہونا لازمی ہے، اس بنا پر اس خیال کے لوگون نے ایک خاص قسم کا مادہ تسلیم کیا ہے جسمین نور متحرک رہتا ہے، اسکو ایتھر کہتے ہین، وہ ہوا سے زیادہ سائل ہوتا ہے، اور اسکے وجود پر براہین قاطعہ پیش کئے جاتے ہین -

ان لوگون نے نور کی سرعتِ رفتار کا اندازہ کرنے کے لئے واسطہ اور ذریعہ تلاش کرنے مین سعی بلیغ کی، پہلے لوگ مشتری کے چاندون کے گہن، ستارون کے مواقع کی نگہداشت اور انکے دیکھنے کے وقت حرکت ارضی کی تاثیر سے نور کی سرعت کا قیاس لگاتے تھے ان کے نزدیک نور کی رفتار ایک لاکھ ۸۰ ہزار میل فی سکنڈ تھی -

مذکورہ بالا تخمینہ درحقیقت زیادہ ہے، جسکا مسافت ارضی سے قیاس کرنا پہلے لوگون کے لئے ناممکن تھا، لیکن انیسوین صدی کے علمائے اس محال کو ممکن بنا دیا انکے

خیال ہین جو حرکت ایک نظام کے ماتحت ہو، اسکی سرعت اسی رفتار کے مطابق ہوگی جسکی وقت کے اعتبار سے تقسیم کردیگئی ہے، تم اگر کسی مسافت کا وقت معلوم کرلو تو اسکی سرعت فوراً بتاسکوگے، اس بنا پر نور کی سرعت بھی معلوم ہوسکتی ہے، یہ اور بات ہے کہ وہ نہایت تیز رفتار اور سریع السیر واقع ہوا ہے،

لیکن اسکا نتیجہ یہ ہے کہ جسقدر مسافت طویل ہوگی، وقت کم خرچ ہوگا، نور کی سرعت کا یہ حال ہے کہ ایک سکنڈ کے ایک لاکھ ۸۶ ہزاروین حصہ مین ایک میل طے کرلیتا ہے، تم اسکی تیزی معلوم کرنا چاہو تو ان باریک اور دقیق آلات سے کام لو جو وقت کو نہایت چھوٹے چھوٹے حصون مین تقسیم کرسکتے ہین، بالفعل اس مقصد کے لئے دو آلے ایجاد ہوچکے ہین، غرض سرعتِ نور ضبط اور وقت کے ذریعہ قیاس کیجاسکتی ہے،

انیسوین صدی کا ایک اور اکتشاف جسکا نام حل طیفی ہے، نہایت محیر العقول ہے پیشتر لوگ اس سے قطعاً ناواقف تھے، اسکی بدولت بہت سے اجرام سماویہ کی ترکیب، حالت طبعی اور حرکت دریافت ہوئی، اور ممکن ہے کہ آگے چل کر خود مادہ کی حقیقت معلوم ہوسکے، حالانکہ سو برس قبل لوگ ان اجرام کے حالات معلوم کرنا ایک دشوار امر سمجھتے تھے، اسکے لئے ایک خاص قسم کا آلہ ایجاد ہوا جس سے ستارون کے نور کی رنگت معلوم ہوجاتی ہے۔

حل طیفی سے سب سے پہلے وال سٹن نے جو انگلستان کا باشندہ تھا، ۱۸۰۲ء مین کام لیا، اس نے آفتاب کے نور کو ایک تنگ نلکی سے کسی ہشت پہل شیشہ پر گذار کر اسمین بہت سے سیاہ خطوط مشاہدہ کئے، اسکے دس برس بعد جرمنی کے ایک شخص ژراہوفر نے چراغ کے رنگ مین زرد خط دیکھے، پھر آفتاب کے رنگ مین بے شمار سیاہ خطوط ملاحظہ کئے، سر جان ہرشل نے مختلف مادّون کے رنگ دریافت کئے، اسکے بعد اور لوگ بھی اس مسئلہ پر غور کرتے رہے۔

لیکن اسکی تدوین و ترتیب کا فخر کرشوف اور بنسین کو حاصل ہوا، ان دونون نے حل طیفی ایک مستقل فن بنایا، اور اسکے اصول و قواعد منضبط کئے۔

یہ علم جس درجہ عظیم الشان اور جلیل المرتبت ہے اسکے لحاظ سے انیسوین صدی کی علمی ترقی قابل رشک ہوجاتی ہے، غور کرو! ایک انسان زمین پر بیٹھے بیٹھے ان ستارون اور اجرام سماویہ کی حقیقت دریافت کرلیتا ہے جو حقیقۃً لاکھون اور کرورون میل اس سے دور واقع ہین، کیا جو علم اسقدر کثیر المنافع ہو اسکا کسی صدی مین پیدا ہونا اس صدی کا پُرفخر کارنامہ محسوب نہین ہوسکتا

نور کے متعلق ۱۸۶۲ء مین مکسول نے ایک اہم اکتشاف کیا تھا، اور وہ یہ تھا کہ نور اور قوت برقی ایک ہی معدن کے دو تابناک جواہر ہین اور ایک کو دوسرے کا بدل قرار دیا جاسکتا ہے

قوت برقی اور مقناطیسی

علوم طبعی کی اگرچہ ہر شاخ اکتشافات کے برگ و بار سے سرسبز ہے لیکن کہربائیت (قوت برقی) اور مقناطیسیت (قوت مقناطیسی) کی شاخین اسدرجہ بلند اور ثمردار ہین کہ خود شجر علم انکے ثقل سے جھک آیا ہے،

ان دونون قوتون کا ضروریات معیشت سے جسقدر تعلق ہے، اس نے انکے علم کو عمل سے مطابقت دینے مین نہایت معاونت کی ہے ٹیلیگراف، ٹیلیفون، برقی ٹریموے، برقی روشنی کہ اب انسانی زندگی کے لوازمات مین داخل ہین، انکا مبدء اور اساس یہی مقناطیسیت یا کہربائیت ہے۔

اس راہ مین اختراع کا سب سے پہلا قدم گالفنی اور وولطا دو اطالوی فلسفیون نے رکھا انھون نے دو باٹری تیار کین جس سے برق انسان کے دست تصرف مین آگئی، یہ باٹری اب بیکار پڑی ہے، لیکن انیسوین صدی مین تقریباً پچھتر سال تک قوت برقی کا مرکز اعظم تھی اس باب مین جتنے اکتشافات ہوئے اسی سے ہوئے تھے۔

علمی اکتشافات مین جس شخص نے بجلی سے مدد لی ان مین مشہور تر سر ہمفری ڈافی ہے اُس نے سوڈیم اور پوٹاسیم دو چمکتی ہوئی دھاتون کا اکتشاف کیا تھا،

چونکہ فولطا کی باٹری مین بجلی پیدا کرنے سے خرچ زیادہ پڑتا تھا، نیز اسکا انہماک ٹیلیگراف اور برقی روشنی کے علاوہ دوسرے اکتشافات واختراعات سے مانع تھا، اورستد نے جو ڈنمارک کا مشہور پروفیسر تھا، برق اور مقناطیس کا تعلق دریافت کیا، اور تجربے سے ثابت کر دیا کہ تانبے کا برقی تار مقناطیس کے قریب کیا جائے تو اسی طرح حرکت کرتا ہے جیسے قطب نما کی مقناطیسی سوئی، یعنی جسطرف برقی قوت کا مرکز ہوتا ہے، اسی طرف سوئی گھومتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مرکز برق مقناطیسی اثر رکھتا ہے،

اورستد کے بعد بہت لوگون نے اس بحث سے دلچسپی لی، امپیر فرانسیسی نے اورستد کے اکتشاف کو ریاضی سے ثابت کیا، اور تجربہ اور امتحان جیسے ناقابل تردید دلائل پیش کر کے علم محرکات کہربائیہ کا موجد (ELECTRODYNAMICS) کہلانے کا مستحق ہوا، ٹیلیگراف اسکے اور فرزندان امریکہ مین دو شخصون ہنری اور مورس کی مساعی جمیلہ کی بدولت موجودہ حالت پر پہونچا، اور ٹیلیفون کو بل، ریس وغیرہ کی ہمت مردانہ نے ترقی دی فرادای نے یہ اکتشاف کیا کہ مقناطیس سے بجلی کیونکر پیدا ہوتی ہے، اس پر اُس نے بجلی کی بہت سی ایجاد شدہ چیزون کی بنیاد رکھی، مکسول نے یہ رائے ظاہر کی کہ ایتھر مین جو قوت برق متحرک ہے، وہ نور کے مثل ہی، جرمن کے ایک عالم ہرتس نے اسکو ثابت کیا اور بیسوین صدی کے اوائل مین مارکونی (ساکن اٹلی) نے اس سے بے تار کی تار برقی ایجاد کی۔

انیسوین صدی کے اختراعات مین فوٹوگراف یا تصویر تیمسی بھی ہے، یہ اگرچہ فلسفہ طبعی کے علمی دربار مین آنے کے قابل نہین، تاہم اسکا ذکر آسانی سے نظرانداز بھی نہین ہو سکتا۔

سر ولیم کروکس نے شعاع اکس کا تجربہ کیا، جو رنٹجن کے شعاعون کے دریافت ہونے (رنٹجن ایک نورافگن عنصر ہے) اور شعاعی مادّون کی بحث چھڑنے کی بیخ و بنیاد تھی، ریڈیم اور اسکے عجائبات کے اکتشافات اسی بحث کا نتیجہ تھے، اور آواز اور اسکی موجون کا فلسفہ پھر فونوگراف، نیز آوازون اور نغمون کا لکھنا اور یاد کرنا یہ سب کچھ اسی کا رہین منّت اور زیر بار احسان ہے۔

غرض فلسفہ طبعی کو جو کچھ ترقی اور عروج نصیب ہوا، انتہائی جفاکشی اور بیحد ریاضتون اور مشقتون کا کرشمہ تھا، جہالت کے کثیر التعداد لشکر جو اقلیم علم کا محاصرہ کئے تھے، اس بروقت اور تازہ کمک کے پہنچنے سے ہزیمت اُٹھا کر فرار ہو گئے۔ انیسوین صدی نے بیسوین صدی کے ابنائے علم کے لئے یہ پُرامن حکومت اس امید پر چھوڑی ہے کہ حقائق عالم کے باقی ماندہ حصے دریافت کر کے اس وسیع قلمرو مین شامل کرتے رہین،

سعید انصاری،
دار المصنفین،
اعظم گڈھ

تقریظ و انتقاد

حمزہ اصفہانی

(۲)

تحریر جی کے زیمان پاہی

ہم کسی قدر یقین کے ساتھ حمزہ کی عمر کا پتہ لگا سکتے ہین، خود اُسکے لکھنے کے موافق اُسنے کتاب سنیں کو ۳۶۱ھ مین انجام تک پہونچایا، اس کتاب مین نوروز کے متعلق بہت سے دوسرے اشعار پائے جاتے ہین، جن سے اسکی زندگی کے مختلف وقتون مین اسکی عمر کا اندازہ ہوتا ہے، ایک ہنگرین اسکالر موسوم بہ گولڈزیہر نے ۳۵۰ھ حمزہ کی تاریخ وفات قرار دی ہے، لیکن یہ بالکل غلطی ہے حمزہ اپنے عظیم الشان تاریخی تصنیف کے بعد محض چند سال زندہ رہا، کیونکہ اسکی وفات سامانی خیال کے موافق ۳۶۰ھ کے قبل وقوع مین آئی، اپنی تاریخ کے پانچوین باب مین جو یہودیون کے تذکرہ پر مشتمل ہے، چند ایسی معلومات کا بیان کیا ہے جنکو اس نے ۳۰۸ھ مین ایک یہودی ڈاکٹر سے بغداد مین حاصل کین تھین، مزید برین چونکہ حمزہ، جوالقی کا شاگرد تھا اور چونکہ اصفہان کے اُن آٹھ واقعات مین جو ۲۹۱ھ اور ۳۴۲ھ کے درمیان ظہور پذیر ہوئے، وہ خود موجود تھا، لہذا ہم غالباً ۲۸۰ھ کے اِدھر اُدھر اسکی پیدائش کی تاریخ قرار دیسکتے ہین، ان واقعات کی بنا پر اُسکی زندگی کا زمانہ تیسری اسلامی صدی کے آخر اور چوتھی صدی کے آغاز مین قرار پاسکتا ہی، براکلین کہتا ہے کہ حمزہ غالباً چوتھی صدی کے آغاز مین بغداد مین رہتا تھا، لیکن حمزہ کا قیام بغداد مین ہمیشہ تھوڑے دنون کے لئے ہوتا تھا، ابونواس کے ایڈیشن کے تیسرے باب مین حمزہ لکھتا ہی کہ ۳۲۳ھ مین مسودات اور نظم کے نئے سرمایہ بہم پہونچانیکی غرض سے مین نے تیسری بار بغداد کا

سفر کیا"، لیکن اس مرتبہ بھی جیسا کہ وہ خود بیان کرتا ہے، اسکا قیام بغداد مین زیادہ دن تک نرہا، اور ہمکو معلوم ہے کہ وہ اسی سال کے آخر مین اصفہان واپس چلا آیا، علاوہ اسکے اس حصہ مین جہان اُس نے اصفہان کے غیر معمولی واقعات کو بیان کیا ہے، واقعہ قحط کا تذکرہ جس نے ۳۲۳ھ کے اختتام اور ۳۲۴ھ کے شروع مین اصفہان کو بہت کچھ تباہ کردیا، اسطرح کرتا ہی گویا اُس نے یہ پرآشوب سمان خود اپنی آنکھون سے دیکھا تھا، وہ کہتا ہے کہ "میرے شہر اصفہان کے دو لاکھ سے زیادہ باشندے فوت ہوگئے"۔ ۳۵۰ھ مین اصفہان کے قریب ایک قدیم عمارت دفعتہً گر پڑی، اور چند ایسے کتبے نظر آئے کہ لوگون نے کبھی ویسا نہ دیکھا تھا، لوگون نے حمزہ سے اس عمارت کی نوعیت کے متعلق مشورہ لیا۔ اس واقعہ سے یہ ظاہر ہے کہ حمزہ آخر زندگی مین اصفہان ہی مین مقیم تھا، اور اہل شہر اسکو نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

حمزہ کے سفر ہمیشہ علمی سفر ہوتے تھے، اسکو سفر کی بدولت مشہور محدثین کی صحبت مین شرکت کا موقع ملتا تھا، اور حمزہ کے اساتذہ سامانی اور نعیم کے خیال کے موافق کامل محدثین تھے، ہم آگے چل کر بیان کرینگے کہ حمزہ نے اپنے بغداد کے سفرون کو کس طرح فن زبان کے متعلق تحقیقات کرنے مین صرف کیا، اولاً مسلمانون کے فن روایت کے نقطۂ خیال سے ان علما پر نظر ڈالنی جو فن حدیث مین کمال رکھتے تھے، اور حمزہ کے استاد تھے، بہت زیادہ نتیجہ خیز ہے، جوالقی اپنے زمانہ کا بہت بڑا محدث تھا، اور متعدد کتابین بھی لکھی تھین، یاقوت اسکو اہواز کا سب سے بڑا عالم خیال کرتا ہے، وہ قوت حافظہ مین شہرۂ آفاق تھا، قحطبہ جسکے صحیح نام کے متعلق کچھ شبہ ہے، حمزہ کا دوسرا استاد تھا، واسطی، طبری، دہری اور ناصر سے بھی حمزہ کو تلمذ تھا۔

دوسری طرف اُسکے شاگردون کا ایک گروہ موجود تھا، جنکو حمزہ فن حدیث کی تعلیم دیتا تھا ان مین سے ایک مرداہی (یہ ایرانی نام ہے) تھا جو حمزہ کی طرح خود ایک تاریخ اصفہان کا مصنف تھا

اور قرآن کی ایک تفسیر بھی لکھی تھی، حمزہ نے فن حدیث کی تحصیل خصوصیت کے ساتھ نہین کی تھی
بلکہ محض اس خیال سے کہ ہر مسلمان عالم کو اس فن سے کم و بیش واقفیت رکھنی چاہیئے، کیونکہ
فن حدیث کے متعلق حمزہ کی کوئی خاص تصنیف ہم کو معلوم نہین، اُس نے خاص کمال فن تاریخ
زباندانی، اور لغت نویسی مین بہم پہونچایا تھا، جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہین، اسکے سفر بغداد محض تحصیل علم
کی غرض سے ہوتے تھے، اور اس طرح اسکو علمائے شہر سے ملنے کا موقع ملتا تھا، ان علما مین سے
جنکا ذکر حمزہ نے اپنی تصانیف مین کیا ہے اکثر ایسے رہے ہونگے جن سے بحیثیت ہم پیشہ ہونیکے
حمزہ کی ملاقات رہی ہوگی۔

اب ہم ان چند علما پر جن سے حمزہ کی ذاتی ملاقات تھی، ایک سرسری نظر ڈالنا چاہتے ہین
حمزہ نے اکثر دُرید کا تذکرہ اپنے فنِ زباندانی کی تصانیف مین کیا ہے، عموماً مختصر نوٹون مین اسکو
بطور سند کے پیش کیا ہے، وہ علما مین سب سے بڑا شاعر اور شعرا مین سب سے بڑا عالم مشہور تھا، مرزا سے
بھی حمزہ کی ملاقات تھی، اس نے اس دلچسپ واقعہ کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے سنہ ۳۲۳ھ مین
اس نے ابونواس کی نظمون کے مسودات کے مطالعہ کی غرض سے جو خاندان نوبخت کے
قبضہ مین تھے، بغداد کا تیسری بار سفر کیا، خاندانِ نوبخت نے حمزہ کا تعارف مرزا سے کرایا، کیونکہ
ابواس کی وہ نظمین جو اس نے مصر مین لکھی تھین، مرزا کے قبضہ مین تھین، حمزہ نے مرزا سے ابونواس کی
شاعری کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل کین، بلکہ مرزا نے حمزہ کی یہ سرگرمی دیکھی تو اُس نے ایک
مفصل رسالہ لکھدیا، جسمین ابونواس کی شاعری کے عیوب و نقائص دکھائے، خاصکر مرزا نے
اُن تمام اشعار کو یکجا جمع کر دیا، جو ابونواس نے قدما سے لئے تھے، مرزا نے یہ سب کیا حالانکہ
وہ ابونواس کا بہت بڑا مداح تھا،

ان اشعار کے علٰحدہ کرنے مین اُسکا مقصود صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ اشعار نہایت

لطیف اور پاکیزہ ہین، لیکن ابونواس کے نتیجۂ فکر نہین ہین، چونکہ وہ تمام عشقیہ اشعار تھے اسلئے حمزہ کو
یہ خیال تھا کہ کہین آیندہ نسلین ابونواس کی عالمانہ اور مورخانہ حیثیتون کو اسکے عشقیہ شاعری کے
آگے ہیچ نہ سمجھین، مرزا نے ایک دوسرا رسالہ ابونواس کے محاسن پر لکھا تھا،

شعیر جو حمزہ کا ایک دوسرا ہمعصر دوست تھا، بہ نسبت اور علوم و فنون کے فن قواعد مین
کمال رکھتا تھا، حمزہ اسکو النحوی کے لقب سے یاد کرتا ہے، شعیر کی تمام تصانیف جنکے عنوان
ہکو معلوم ہین محض فن قواعد کے متعلق ہین، حمزہ نے اکثر خاندان نوبخت کا تذکرہ اپنے ابونواس کے
ایڈیشن مین کیا ہے، یہ بغداد کا ایک مشہور ایرانی النسل علمی خاندان تھا، کتاب الفہرست مین عربی
مترجمین کی حیثیت سے اسکا بیان ہی، نوبخت خود خلیفہ المنصور (سنہ ۱۳۶ھ تا سنہ ۱۵۸ھ) کے زمانہ مین
ایک بہت بڑا منجم تھا، ابونواس خاندان نوبخت کے لوگون سے بخوبی واقف تھا، اور اپنی متعدد نظمین
انکی طرف منسوب کی تھین، انباری حمزہ کا دوسرا ہمعصر تھا، وہ عام شاعری سے غیر معمولی واقفیت
رکھتا تھا، لوگ اُسکے اس شاعرانہ مذاق کی بہت تعریف کرتے تھے، ایک دوسری سند جسپر حمزہ کو
تحقیقات لغوی کے متعلق خاص اعتبار ہے، ایک دوسرا اصفہانی ہی ہے، وہ ایک شجرہ نویس اور
حمزہ سے عُمر مین چھوٹا تھا، مصنف کتاب الفہرست نے اسکو حمزہ کا ہمعصر قرار دیا ہے،

ان بزرگون اور دیگر علما سے حمزہ نے خاص طور پر عربی اور فارسی کی تحصیل کی، اُس نے
عربی اور فارسی اقوال و امثال کو بھی خصوصیت کے ساتھ مطالعہ کیا، جن سے انسانی تمدن و تہذیب پر
بہت کچھ روشنی پڑتی ہے، حمزہ کی بہت سی مشکلات کے حل کرنے مین اس اصفہانی نے جو ایرانی
معاملات سے بخوبی واقف تھا، معتدبہ مدد دی۔

حمزہ کے متعلق جو واقعہ ہمارے لئے خصوصیت کے ساتھ دلچسپی رکھتا ہے، وہ یہ ہے کہ
حمزہ دوسرے عربی مصنفون کی طرح (جنکے متعلق ہم آیندہ موقعون پر کچھ کہنے کی کوشش کرینگے) علاوہ

مسلمانون کے اور دوسرے علمی حلقون مین تحقیقات علمی کرنے کی حتی الوسع کوشش کرتا تھا، اور تحصیل علم کے ذوق مین اسقدر سرگرم رہتا تھا کہ اسکو یہودیون، یونانیون اور آتش پرستون سے بھی مشورہ لینے مین کچھ عار نہوتا تھا، چنانچہ اُس نے ۳۰۸ھ مین انجیل قدیم کے متعلق اپنی چند مشکلات بغداد کے ایک یہودی سے حل کرائین، حمزہ نے اسکو بنی اسرائیل کی ایک مکمل تاریخ کی تیاری کی ترغیب دلائی، سنین کا پانچوان باب تمامتر یہودی کی اسی زبانی اور تحریری واقفیت پر مبنی ہے۔

آثارِ علمیہ و ادبیہ

نامۂ حالی

(۲)

بنام مولانا شبلی مرحوم

پانی پت۔ ۳۰۔ نومبر ۱۹۱۶ء

مولانا

بنفسی ما بہ جاء البشیر وما اَفدی بہ شیٔ یسیر

اسقدر مدت کے بعد عنایت نامہ کے ورود نے میری آنکھون کے ساتھ وہی کام کیا جو پیراہنِ یوسف نے چشم یعقوب کے ساتھ کیا تھا۔

میری کوتاہ قلمی سے اگر آپ یہ سمجھے ہون تو کچھ تعجب نہین کہ مین آپکے حقوق صحبت کو بھول گیا ہون، مگر مولانا یہ تغافل اُسی قسم کا ہے جسکی نسبت کہا گیا ہے، ع تغافلے کہ کم از صد نگاہِ حسرت نیست

مین اپنے حالات کی تفصیل لکھ کر آپ کو ملول کرنا نہین چاہتا، صرف چار مصرع حسب حال لکھنے پر اکتفا کرتا ہون

علم و عمل و کتاب سے نفرت ہے لکھنے پڑھنے کے نام سے وحشت ہے
تو نے ہر درد سر سے دی آکے نجات پیری! رحمت ہی تجھکو صد رحمت ہے

آپ کے گرانبہا عطیہ کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہون، گو اس سے پورا پورا استفیدہ نہین ہو سکتا، ایک آنکھ سے بالکل نظر نہین آتا، دوسری آنکھ مین بھی موتیا کا پانی آنا شروع ہو گیا ہے، داہنی آنکھ بنوانے کا ارادہ ہے لیکن کھانسی کی وجہ سے فروری تک اپریشن کرانا ملتوی کرا دیا ہے، چونکہ مین بذات خود کتابون سے کما حقہ استفادہ حاصل نہین کر سکتا، اسلئے اپنی ہوس کو اسطرح پورا کرتا ہون کہ اور لوگون کے لئے لائبریری کتابین منگواتا ہون، اور اس مشہور مقولہ کا مصداق بنتا ہون ع قحبہ چون پیر شود پیشہ کند دلالی۔ اسی بنا پر سوانح مولانا روم لائبریری کی طرف سے منگوائی گئی تھی، لیکن چونکہ وہ آپنے خاص میرے لئے عنایت فرمائی ہے اسلئے اُسکو اپنے پاس رکھونگا، اور لائبریری کے لئے دوسرا نسخہ اسی درجہ کا بصیغۂ ویلوپی ایبل ارسال فرمانا ہوگا، جہانتک مجھے معلوم ہے آپکی جملہ تصانیف لائبریری مین آگئی ہین، صرف الغزالی ابتک نہین آئی تھی، لیکن اب عبد اللہ خان کو حیدرآباد لکھدیا گیا ہے کہ اُسکا ایک نسخہ فوراً بھیجدین، مجھے ٹھیک معلوم نہین کہ المامون اور سیرة النعمان بھی آگئی ہین یا نہین، مین لائبریری سے دریافت کر کے انکے لئے بھی شاید تکلیف دون، باقی الفاروق، سفرنامۂ روم و مصر وغیرہ، رسائل شبلی، تاریخ علم کلام کے دونون حصے یہ سب کتابین لائبریری مین موجود ہین، سوانح کے ساتھ دیوان فارسی بھی پارسل مین شامل کرا دیجیگا۔

سوانح کو مین ابتک ایک سرسری نظر سے دیکھ سکا ہون، اول مولوی وحید الدین دیکھنے کو لے گئے اُنکے بعد غلام حسین نے مانگ لی۔ آپ کی تصنیفات کی نسبت مین اس سے زیادہ کچھ نہین لکھ سکتا کہ من عرف منزلتکم فی التصنیف کل لسانہ آپکا وجود قوم کیلئے باعثِ فخر ہے خدا تعالیٰ آپکو بہت مدت تک زندہ و سلامت رکھے

موازنۂ انیس و دبیر کا مسودہ مین نے میر کاظم علی صاحب معتمد تعمیرات سرکار عالی سے بڑے تقاضون کے

ساتھ حیدرآباد مین منگوا کر دیکھا تھا، اور جس رقعہ کے ساتھ انکے دفتر مین اسکو واپس بھیجا تھا اسمین اُنکو بہت غیرت دلائی تھی کہ ابتک اُسکے شائع کرنے کا یہان کسیکو خیال نہین آیا، یا تو سرکار کی طرف سے آپ اسکو چھپوا دین یا بعض اشخاص جو اُسکے چھاپنے پر آمادہ ہین انکو اجازت دیدین اور سب سے بہتر یہ ہی کہ اس مسودہ کو خود مولانا کے پاس بھجوا دین کیونکہ اسمین جا بجا کورے اوراق چھوڑ دیئے گئے ہین جس سے معلوم ہوتا ہی کہ مصنف کو اسمین کچھ اور اضافہ کرنا منظور ہے۔ سید کاظم علی صاحب نے بہت دن کے بعد اسکا یہ جواب دیا کہ سرکار سے اُسکے چھاپنے کی منظوری لے لی گئی ہی لیکن باوجود اسکے کہ مین اسکے بعد کئی مہینہ تک وہان ٹھہرا رہا، میرے سامنے اسکے چھپنے کی نوبت نہین آئی، بفرض محال وہان چھپتا بھی تو بالکل مسخ ہوتا، آپنے بہت اچھا کیا کہ یہان چھپنے کو دیدیا، جب موازنہ بالکل چھپ جائے تو از راہِ عنایت اسکی بھی ایک جلد سکریٹری وکٹوریا موریل لائبریری کے نام ضرور بصیغۂ ویلیو پی ایبل بھجوا دیجیگا، زیادہ نیاز

خاکسار آپ کا مخلص دعاگو

الطاف حسین حالی

مجلد اول	ماہ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ مطابق جنوری ۱۹۱۷ء	عدد ہفتم

فہرس مضامین